زلفِ پریشاں
عدم

ہم بھی منصور کے یارانِ طریقت ہیں مگر!

ہم کو منظور نہیں دار کا احسان لینا

سید عبدالحمید عدمؔ

PdfBy, MiskenMazharAliKhan

Cell No, 00966590510687

زلف پریشان

شعر و ادب کے آبگینوں سے کھیلنے والا عدم
اردو کا عظیم ترین غنائی شاعر ہے۔ عدم کے
جمالیاتی اور خمریاتی شعر سن کر انسان کا
احساس و وجدان ہلکورے لینے لگتا ہے اور
جذبات پر ایک ایسی اضطراری کیفیت چھا
جاتی ہے جیسے جھیل کی ساکت سطح پر کسی
لمحاتی اور عمیق تموج سے پراسرار ارتعاش پیدا
ہو جائے۔

عدم کی غزلوں میں خیالات کی طرفگی،
معانی کی دل آویزی اور اسلوب کی نغمگی کا
حسین ترین امتزاج ملتا ہے۔

م، ع، سلام

سرورق: حفیظ سرور

عبدالحمید عدمؔ

ناشران

آئینۂ ادب چوک مینار۔ انارکلی

لاہور

پاکستان میں دوسری مرتبہ

۱۹۶۴ء

تعداد : ۱۰۰۰

قیمت : تین روپے پچاس پیسے

اہتمام

م، ح، سلام - آئینہ ادب چوک مینار
انار کلی لاہور

(اشرف پریس لاہور میں چھپی)

شعر و ادب کے آبگینوں سے کھیلنے والا عدؔم اردو کا عظیم ترین غنائی شاعر ہے۔ عدؔم کے جمالیاتی اور خمریاتی شعر سن کر انسان کا احساس و وجدان ہلکورے لینے لگتا ہے اور جذبات پر ایک ایسی اضطراری کیفیت چھا جاتی ہے جیسے جھیل کی ساکت سطح پر کسی لمحاتی اور عمیق تموج سے پر اسرار ارتعاش پیدا ہو جائے۔

عدؔم کی غزلوں میں خیالات کی طرفگی۔ معانی کی دلآویزی اور اسلوب کی نغمگی کا حسین ترین امتزاج ملتا ہے۔

غزل کا آرٹ اردو زبان کے ہر دور میں بتدریج ترقی کرتا رہا ہے۔ اگرچہ میؔر اور غالبؔ کے زمانہ سے لے کر عدؔم کے زمانہ تک غزل کے اسلوب میں برابر تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں۔ لیکن اس

کی بنیادی حقیقت میں کوئی فرق نہیں آیا۔

شعر اور خاص کر غزل کا شعر چونکہ اندرونی تجربہ کا اظہار کرتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے۔ کہ ادب کی غیر فانی قدروں میں اضافہ کرے غزل اردو ادب کی سب سے دقیق اور ہمہ گیر صنف ہے۔

عؔدم کی زیر نظر غزلیات اسی جذبہ کے ماتحت دنیائے ادب کے سامنے پیش کرتے ہوئے ہم قلبی مسرت محسوس کر رہے ہیں

م۔ ع۔ سلام

زلفیں بکھیر دے کہ زمانے کو علم ہو!
ظلمت حسین تر ہے شبِ ماہتاب سے

عدمؔ

○

وہ جاتے جاتے ہنس کے جو اک بات کر گئے
دورِ زماں کو دورِ خرابات کر گئے

ڈالی نظر تو روحِ خرابات بخش دی
کی گفتگو تو بارشِ نغمات کر گئے

ہم نے متاعِ زیست کو ضائع نہیں کیا
دو چار روز سیرِ خرابات کر گئے

آئے تھے مجھ سے ملنے مگر میں نہ جب ملا
وہ میری بے خودی سے ملاقات کر گئے

میں عمر بھر عدمؔ نہ کوئی دے سکا جواب
وہ اک نظر میں اتنے سوالات کر گئے

○

صبح ازل ہی آپ کی نیت خراب تھی
میرے لیے کچھ اور نہیں تھا شراب تھی

پہلا ورق کھلا تھا کہ دل دھک سے رہ گیا
کیا دلفریب صبح و مسا کی کتاب تھی

جب تک تری نظر میں مروت تھی موجزن
ہر رات زندگی کی شب ماہتاب تھی

میں آج اعتدال کی حد سے گزر گیا
ساقی خطا معاف طبیعت خراب تھی

کس بات کی مثال مہیا کرے کوئی
جو بات تھی حضور کی وہ لاجواب تھی

لایا ہے صرف اتنی خبر طور سے کلیم
بجلی سی کوندتی ہوئی زیرِ نقاب تھی

فردِ عمل میں جس کا حوالہ تھا اے عدمؔ
وہ میں نہیں تھا مستیٔ عہدِ شباب تھی

○

گرتے ہیں لوگ گرمیٔ بازار دیکھ کر
سرکار! دیکھ کر، مری سرکار، دیکھ کر
آسان راستے کبھی پہنچتے نہیں کہیں
ڈرتی ہے عقل راہ کو ہموار دیکھ کر
آوارگی کا شوق بھڑکتا ہے اور بھی
اس کی گلی کا سایۂ دیوار دیکھ کر
کیا مستقل علاج کیا دل کے درد کا
وہ مسکرا دیئے مجھے بیمار دیکھ کر

تسکین دل کی ایک ہی تدبیر ہے فقط
سر پھوڑ لیجئے کوئی دیوار دیکھ کر

آتا ہے دشمنوں کی مدارات کا خیال
احباب کا طریقۂ گفتار دیکھ کر

دیکھا کسی کی سمت تو کیا ہو گیا عدمؔ
چلتے ہیں راہرو سرِ بازار دیکھ کر

○

ان کے الزام یاد آتے ہیں
پھول اور جام یاد آتے ہیں

جب بھی آتا ہے جام ہاتھوں میں
سینکڑوں نام یاد آتے ہیں

ڈال دو زہر آب گینوں میں
تلخ ایّام یاد آتے ہیں

جب بھی آتے ہیں یاد وہ ہم کو
سحر و شام یاد آتے ہیں

اے عدم جن میں دل پریشان تھا
کیوں وہ ایّام یاد آتے ہیں

○

گیسوؤں کے اسیر ہو جائیں
آؤ ان کے فقیر ہو جائیں
کتنے دل کش ہیں زندگی کے ستم
آرزو ہے کہ تیر ہو جائیں
تیرے ہونٹوں سے جام ٹکرا کر
چاندنی کی لکیر ہو جائیں
آپ اگر گیسوؤں کو پھیلا دیں
سلسلے بے نظیر ہو جائیں
دیکھ کر ان کی انکھڑیوں کو ندیم
آب گینے فقیر ہو جائیں

○

جناب شیخ تمہیں کیسی بد گمانی ہے
سبو میں مے تو نہیں گلستاں کا پانی ہے

تم اور اتنی کشادہ دلی سے پیش آؤ
میں سوچتا ہوں ستم ہے کہ مہربانی ہے

حباب ٹوٹ رہا ہے کچھ اس تکلف سے
کہ جیسے اس کی گرہ میں کوئی کہانی ہے

علاج درد ہی مسلّم ہیں شدّتِ غم کے
شرابِ ناب ہے یا مرگِ ناگہانی ہے

بڑی اداس، بڑی مضمحل، بہت غمگیں
مرا خیال ہے شاید مری جوانی ہے

یہ کائنات تری اے طلسم بندِ ازل
بڑی حسین ہے لیکن بہت پرانی ہے

ہمارے گھر کو یہ رونق کہاں میسر تھی
حضور! آپ کے قدموں کی مہربانی ہے

وہ چیز جس سے چٹکتے ہیں غنچہ ہائے خیال
سنا ہے رنگ عدمؔ اس کا ارغوانی ہے

○

حدیثِ سلسلۂ زلفِ یار ختم ہوئی
ہوئی مگر ذرا بالا ختصار ختم ہوئی

کہاں تھی موسمِ گل کو قیام کی فرصت
بھرا اٹھا جام کہ فصلِ بہار ختم ہوئی

مرا سفر تو ہوا ختم ایک نقطے پر
تری تلاش کہاں اے نگار ختم ہوئی

وہی سفر ہے، وہی دور ہے، وہی وحشت
خبر نہیں کہ کہاں رہ گزار ختم ہوئی

مرے حواس میں بھی پھینک دو کوئی کانٹا
مجھے یقیں نہیں آتا بہار ختم ہوئی

ہے صبحِ حشر بھی دل کو عدمؔ یہی حسرت
کوئی کہے کہ شبِ انتظار ختم ہوئی

غمِ زندگی مسکراتا رہے گا — حسینوں سے ملتا ملاتا رہے گا

اٹھا ساغرِ مے، نہ کر فکرِ دوراں — زمانہ ہے! چلتا چلاتا رہے گا

ابھی انعقادِ قیامت نہ کیجئے — یہ جھوٹا سہارا بھی جاتا رہے گا

خرد موت سے خوف کھاتی رہے گی — جنوں سازِ ہستی بجاتا رہے گا

پجاری نہ تشویش کر کوئی ساقی — ہمیں خود بخود ہوش آتا رہے گا

عدمؔ دل کو چسکا ہے آوارگی کا
اسے جتنا روکو گے جاتا رہے گا

○

اٹھا جام اور چھیڑ کوئی فسانہ — کہ ناساز ہے کچھ مزاجِ زمانہ

نہیں شوقِ سجدہ مری عاجزی کو — سلامت رہے آپ کا آستانہ

کوئی آبگینہ گرا دو زمیں پر — نہ کوئی تبسم، نہ کوئی ترانہ

بکھرتی چلی جا رہی ہیں بہاریں — گزرتا چلا جا رہا ہے زمانہ

وہیں کر لیا رہروؤں نے بسیرا — جہاں مل گیا کوئی دلکش ٹھکانہ

عدمؔ بجلیوں کے تغافل سے جل کر
اگر حادثہ بن گیا آشیانہ

○

بہار آتی ہے جب ٹھنڈی ہوا تکلیف دیتی ہے
پیالوں کے کھنکنے کی صدا تکلیف دیتی ہے

اگرچہ اک زمانہ ہو گیا قطع مراسم کو
تمہاری یاد اب بھی بارہا تکلیف دیتی ہے

اگر تکلیف جائز ہو تو ہم سہہ لیں خموشی سے
گلا یہ ہے کہ دنیا ناروا تکلیف دیتی ہے

یہ متوالی گھٹا جو آج ساقی عین رحمت ہے
بسا اوقات یہ کالی گھٹا تکلیف دیتی ہے

دعا اک آخری تدبیر ہے جھوٹی تسلی کی
دعا کرتا تو ہوں لیکن دعا تکلیف دیتی ہے

محبت ایک بیماری ہے لیکن لوگ کہتے ہیں
یہ بیماری بڑی راحت فزا تکلیف دیتی ہے

خردمندوں کی محفل میں نہ لے جائے عدمؔ ہم کو
ہمیں اس بزم کی آب و ہوا تکلیف دیتی ہے

○

کسی کے لب پہ جب اس بے وفا کا نام آتا ہے
مری آنکھوں میں اک افسانۂ ناکام آتا ہے

محبت کے فسانے کی بناوٹ ہی کچھ ایسی ہے
اِدھر آغاز ہوتا ہے، اُدھر انجام آتا ہے

بڑی تاخیر سے تسکین کے اسباب بنتے ہیں
بڑی تکلیف سے ساقی لبوں تک جام آتا ہے

سیہ گیسو، سیہ آنچل اور ان میں پھول سا چہرہ
تصور آپ کا مثلِ درِ دوشام آتا ہے

گذارا کس طرح ہو گا نہ جانے اہل دنیا سے
نہ کوئی بات آتی ہے نہ کوئی کام آتا ہے

نظر ڈوبی ہوئی، رخ مضمحل، رفتار افسردہ
عدم آتا ہے یا اک سایۂ آلام آتا ہے

○

دو عالم کے مصائب سے فراغت ہوتی جاتی ہے

کہ اب دیوانگی جزوِ طبیعت ہوتی جاتی ہے

نہ جانے کونسی منزل ہے یہ شوقِ فراواں کی

کہ جو تصویر ہے وہ تیری صورت ہوتی جاتی ہے

سفینے کو بھنور میں ڈال دے اے ناخدا ہنس کر

مشیت آپ بھی طوفانِ رحمت ہوتی جاتی ہے

مری جانب نہ دیکھو لطف سے لبریز نظر دل سے

یہ غفلت باعثِ حرف و حکایت ہوتی جاتی ہے

کچھ ایسے ڈھونڈنے نکلے ہیں تجھ کو تیرے دیوانے
کہ تجھ سے مستقل نا واقفیت ہوتی جاتی ہے

تری زلفِ پریشاں سے ہوئی ہے دوستی جب سے
دو عالم کی پریشانی سے رغبت ہوتی جاتی ہے

محبت کی ضرورت تو نہیں تھی اے عدمؔ ہم کو
مگر محسوس ہوتا ہے ضرورت ہوتی جاتی ہے

○

جو رشتہ درمیانِ شاہد و مشہود ہوتا ہے
وہی بندہ، وہی معبد، وہی معبود ہوتا ہے

مرے احساس کی تخلیق ہے جو کچھ بھی ہے ساقی
جسے محسوس کرتا ہوں وہی موجود ہوتا ہے

کنارے ٹوٹتے جاتے ہیں طوفاں کی مروّت سے
کہ اب جو درد اٹھتا ہے وہ لامحدود ہوتا ہے

خرد بھی زندگی کی کہکشاں کا اک ستارہ ہے
مگر یہ وہ ستارہ ہے جو نامسعود ہوتا ہے

عدمؔ جب بھی میں تنہائی میں اس کو یاد کرتا ہوں
مجھے محسوس ہوتا ہے کہ وہ موجود ہوتا ہے

○

زخم دل کے اگر سیے ہوتے　　اہل دل کس طرح جیے ہوتے

وہ ملے بھی تو اک جھجک سی رہی　　کاش تھوڑی سی ہم پیے ہوتے

آرزو مطمئن تو ہو جاتی　　اور بھی کچھ ستم کیے ہوتے

میری الجھن کی بات ہی کیا تھی　　ان کے گیسو سنور لیے ہوتے

لذتِ غم تو بخش دی اس نے
حوصلے بھی عدمؔ دیے ہوتے

○

کٹ گئی غم کی رات یاد نہیں!
اب ہمیں کوئی بات یاد نہیں
زیست کی مہربانیاں توبہ؟
آپ کا التفات یاد نہیں
کل کی باتیں تو خیر خواب ہوئیں
آج کے واقعات یاد نہیں
آپ کیوں شرمسار کرتے ہیں
واقعہ ہے کہ بات یاد نہیں
جام گردش میں آرہا ہے عدمؔ
زیست کے حادثات یاد نہیں

○

نکلی ہے فالِ اہلِ خرد کی کتاب سے
اک جام قیمتی ہے جہانِ خراب سے

کرتا نہ بھول کر کبھی گستاخیٔ سوال!
ہوتا جو آشنا میں تمہارے جواب سے

کرتے ہیں موجِ مے سے سکونِ جگر کشید
شبنم نچوڑتے ہیں رگِ آفتاب سے

زلفیں بکھیر دے کہ زمانے کو علم ہو
ظلمت حسین تر ہے شبِ ماہتاب سے

اڑتی ہے سطحِ جام سے یوں مے کی چاندنی
نغمے کی لہر جیسے رواں ہو رباب سے

دیکھا ہے جب سے ان کی نگاہوں کو اے عدم
مانوس ہو گئی ہے طبیعت شراب سے

○

حیراں نہیں ہوں سلسلۂ حادثات پر
میں غور کر رہا ہوں کسی اور بات پر

جب سے ہوا ہے اس کی نگاہوں کا کچھ کرم
جوبن سا آگیا ہے ذرا واقعات پر

جینا ہے چار روز تو اے صاحبِ خرد
گہری نظر نہ ڈال فریبِ حیات پر

اے دل تو اپنی بات کا خود احترام کر
مجھ کو تو اعتبار نہیں تیری بات پر

غلطاں تھی کائنات اسی رنگ میں عدمؔ
جس رنگ سے نگاہ پڑی کائنات پر

○

ساقیٔ غم زمانہ کو دشنام چاہیئے
اور میں، مجھے تو صرف ترا نام چاہیئے

اک عمر ہے اطاعتِ یزداں کے واسطے
دو چار دن پرستشِ اصنام چاہیئے

میں غور کر رہا ہوں رموزِ حیات پر
اس وقت اک چھلکتا ہوا جام چاہیئے

یہ مانتا ہوں میں کہ شبِ نو بہار میں
زلفِ دراز و عارضِ گلفام چاہیئے

لیکن کسی کو گھر میں بلانے کے واسطے!
رطلِ شراب و شکل در و بام چاہیئے

ساقی مجھے شراب کی تہمت نہیں پسند
مجھ کو تری نگاہ کا الزام چاہیئے

کرتا ہے عذر توبہ خرابات میں عدمؔ
اے بے ادب اطاعتِ احکام چاہیئے

○

دو دن کی زندگی کو بھی سامان چاہیے
امید چاہیے، کوئی ارمان چاہیے

غلمان و حور سے نہیں مطلب کوئی مجھے
انسان ہوں مجھے کوئی انسان چاہیے

میں روک دوں گا گردشِ دوراں کا راستہ
مجھ کو فقط حضور کا فرمان چاہیے

کیا آپ اس عرض کو نہ فرمائیں گے قبول
افسانۂ حیات کا عنوان چاہیے

وعدہ تو اضطراب کو کرتا ہے اور تیز
بندہ نواز درد کا درمان چاہیئے

مجھ کو غم حیات کی نیت کا علم ہے
اس نامراد کو تو مری جان چاہیئے

اے شیخ کیوں عدم سے الجھتا ہے بے سبب
ہر شخص کے مزاج کی پہچان چاہیئے

○

خرابات میں ہم کو لے جا رہے ہو
یہ کیا قیمتی ظلم فرما رہے ہو

چھپے ہو حجاباتِ دیر و حرم میں
مگر بے تکلف نظر آ رہے ہو

قیامت کا بازار کیا گرم ہوگا
نہ ہم جا رہے ہیں نہ تم آ رہے ہو

بڑے نکتہ رس ہو مرے خیر خواہو
مجھے ان کے بارے میں سمجھا رہے ہو

کسی ضابطے میں تو زلفوں کو لاؤ
نہ الجھا رہے ہو نہ سلجھا رہے ہو

غریبوں کے احوال پر ہنسنے والو
بڑی دلنوازی سے پیش آ رہے ہو

عدمؔ کس متانت سے بیمار ہو کر
جو ان گیسوؤں کی ہوا کھا رہے ہو

○

فضا ہنس رہی ہے ہوا گا رہی ہے
بڑی تمکنت سے بہار آ رہی ہے

ترے جسم کی چاندنی اللہ اللہ
مجھے صبح تخلیق یاد آ رہی ہے

نہ آواز دو جیری عمر رواں کو
کوئی اور گھر ڈھونڈتے جا رہی ہے

نقاب ان کے چہرے سے سرکا ہے شاید
بڑی دور تک برق لہرا رہی ہے

غم زندگی کی حکایات سن کر
عدم آج ہم کو بھی نیند آ رہی ہے

○

جنوں زندگی میں مخل ہو رہا ہے　　تصور ترا مستقل ہو رہا ہے

کوئی بات پھر یاد آئی ہے دل کو　　کوئی زخم پھر مندمل ہو رہا ہے

ابھی کیا شکایت کریں چارہ گر کی　　ابھی چارۂ دردِ دل ہو رہا ہے

مزاج خدا تو مزاجِ خدا ہے　　مزاج بتاں مشتعل ہو رہا ہے

عدمؔ عقل کی جستجو کا تصور

خرابات میں منتقل ہو رہا ہے

○

وہ زلفِ پریشاں کہیں لہرائی ہوئی ہے
محسوس یہ ہوتا ہے گھٹا چھائی ہوئی ہے

مت دیکھنا اب لطف بھری آنکھ سے ہم کو
پہلے ہی ہماری بڑی رسوائی ہوئی ہے

گل چیں وہ کلی کیا تجھے شاداب کرے گی
آغازِ بہاراں میں جو مرجھائی ہوئی ہے

آجا تجھے بے ساختہ سینے سے لگا لوں
اے دوست طبیعت ذرا گھبرائی ہوئی ہے

جانے کا ارادہ نہ خدارا ابھی کرنا
دنیا کی مسرت مرے گھر آئی ہوئی ہے

انساں ہوں عدم اور یہ یزداں کو خبر ہے
جنت مرے اسلاف کی ٹھکرائی ہوئی ہے

○

کوئی کسی مظلوم کا غمخوار نہیں تھا
سب قسمت کے ساتھی تھے کوئی یار نہیں تھا

ملنا تجھے مقصود تھا، تکلیف یہی تھی
ویسے تو مری جان کوئی آزار نہیں تھا

اب آپ نہ مانیں تو یہ تقدیر ہے میری
میں آپ کے نقصان میں سرکار نہیں تھا

کیوں اپنی جفاؤں پہ وہ ہوتے ہیں پشیماں
شاید میں جفا کے بھی سزاوار نہیں تھا

ہم بانگ کے پینے پہ رضا مند نہیں تھے
ساقی کو پلانے سے تو انکار نہیں تھا

لایا ہے جنوں کس کے لیے زہر کا ساغر
کہتے ہیں خرد کو کوئی آزار نہیں تھا

کیا رند طرح دار تھا اے دوست عدمؔ بھی
پیتا تھا مگر کہتے ہیں میخوار نہیں تھا

○

اس دشت میں رہتا تھا کوئی یاد نہیں ہے

ویرانۂ دل دیر سے آباد نہیں ہے

اب کیا دلِ کم بخت کے بارے میں کہیں ہم

محسوس تو ہوتا ہے کہ ناشاد نہیں ہے

کچھ سوچ رہا تھا نہیں کچھ سوچ تھی درپیش

کیا سوچ تھی درپیش مجھے یاد نہیں ہے

دے ساغرِ صہبا کہ جہانِ گزراں میں

مضبوط کسی چیز کی بنیاد نہیں ہے

اتنا بھی زمانے میں نہ غم دوست ہو کوئی
ہنسنے کا طریقہ بھی مجھے یاد نہیں ہے

اربابِ قفس چپ ہیں کہ معلوم ہے ان کو
صیاد کی تفریح ہے فریاد نہیں ہے

جیسا کہ ہے انسان عدمؔ طرفہ تماشا
ایسا کوئی مجموعۂ اضداد نہیں ہے

○

ہوش کی کثرت خرابی ہو گئی　　عقل بہکی تو شرابی ہو گئی

کھل گیا ان کے ارادوں کا بھرم　　پردہ داری بے حجابی ہو گئی

صورت حالات تو کچھ اور تھی　　اتفاقاً کامیابی ہو گئی

میکدے کا میکدہ بیہوش ہے　　ساقیا کچھ بے حسابی ہو گئی

جام تو ہم تک عدمؔ پہنچا نہیں
آنکھ کس شے سے گلابی ہو گئی

جو کلی چٹکی وہی مرجھا گئی — ہم کو اپنی داستاں یاد آ گئی

موت کی روداد طولانی نہیں — راستہ چلتے ہوئے نیند آ گئی

آپ اتنے خوبصورت تو نہ تھے — آنکھ اک رنگین دھوکا کھا گئی

اب جسے چاہو دو عالم بخش دو — میرے ہاتھوں میں صراحی آ گئی

دیکھ کر انسان کی حالت عدمؔ

زندگی کیا موت بھی شرما گئی

○

کچھ غمِ محبت ہے کچھ غمِ زمانہ ہے
زیست کا فسانہ بھی کیا حسین فسانہ ہے

دورِ جام تو ساقی دورِ جام ہے لیکن
گردشِ زمانہ بھی گردشِ زمانہ ہے

حشر کا تکلف بھی کیا ستم ظریفی ہے
بات کچھ نہیں، پھر بھی کتنی شاعرانہ ہے

آپ کی نگاہوں کا احترام ہے ورنہ
زیست بھی بہانہ ہے موت بھی بہانہ ہے

اے عدمؔ جہاں چاہا رک گئے وہیں پل بھر
ہم فقیر لوگوں کا کس جگہ ٹھکانہ ہے

○

شمع گل جلا ساقی شام ہوتی جاتی ہے
جام مے اٹھا ساقی شام ہوتی جاتی ہے
دن تمام گزرا ہے مستقل تفکر میں
اب تو مسکرا ساقی شام ہوتی جاتی ہے
گیسوؤں کے حلقوں کو اور دراز پلکوں کو
نیند سے جگا ساقی شام ہوتی جاتی ہے
لے وہ بادہ خواروں نے رحم کی دہائی دی
لے وہ شور اٹھا ساقی شام ہوتی جاتی ہے

لڑکھڑا کے جا ساقی وقت کا تقاضا ہے

لڑکھڑا کے آ ساقی شام ہوتی جاتی ہے

تجھ کو ہوش ہے جب تک میکدہ نہ جھومے گا

جھوم کر دکھا ساقی شام ہوتی جاتی ہے

خرمنِ عدم تک ہو سلسلہ تجلی کا

مشعلیں جلا ساقی شام ہوتی جاتی ہے

○

جبیں کی چمک گیسوؤں کا اندھیرا — کہیں شام تھی اور کہیں تھا سویرا
امیروں کے محلوں کو جھکا نیوالے — غریبوں کی بستی میں بھی کوئی پھیرا
چلے گا بھلا تیرے کہنے پہ کیسے — ارے نا خدا یہ سفینہ ہے میرا
یہاں میں بھی مہمان ، تو بھی مسافر — یہ بے فیض گلشن نہ تیرا نہ میرا
بڑی بے رخی سے ملے وہ چمن میں — نہ آنکھیں ملائیں نہ گیسو بکھیرا
زمانے کی رفتار سے تنگ آکر
عدمؔ کر لیا میکدے میں بسیرا

○

اسے او خرابات کو جانے والے	اگر ہو سکے تو ہمیں بھی اٹھا لے
تجھے دیکھ کر جان میں جان آئی	بڑی دیر سے لے رہے تھے سنبھالے
مرے ساتھیو چند گام اور زحمت	افق پر نظر آ رہے ہیں اجالے
خرد کے دلائل کو نیند آ رہی ہے	جنوں ہی کوئی راستہ اب نکالے
دو پھولوں کے جھرمٹ میں آرام کش ہیں	کہ ہیں چاند کے گرد رنگین ہالے

عدمؔ گردشِ جام کیوں تھم گئی ہے
یہ کس سوچ میں کھو گئے ہیں پیالے

○

چلے ہو غریبوں سے رنجور ہو کر
ابھی لوٹ آؤ گے مجبور ہو کر

سنا ہے غرورِ اک حسیں خستگی ہے
پشیماں نہ ہوں آپ مغرور ہو کر

غمِ زندگی کیا ضرورت ہے تیری
اگر جی سکیں لوگ مسرور ہو کر

مجھے آزمائش میں مت ڈالیے گا
میں مر جاؤں گا آپ سے دور ہو کر

ان آنکھوں کی حالت کچھ ایسی ہے جیسے
اٹھے میکدے سے کوئی چور ہو کر

ابھی تو کھلا تھا عدم غنچۂ دل
کہاں اڑ گیا رنگ کافور ہو کر

○

مری نظر تری تصویر ہو خدا نہ کرے
ترے شباب کی تشہیر ہو خدا نہ کرے

کیا ہے ضبط بڑے جبر سے تکلّم پر
مرے سکوت میں تقریر ہو خدا نہ کرے

وہ اک علیل سی کوشش جو کر رہا ہوں میں
خلافِ شومیٔ تقدیر ہو خدا نہ کرے

وہ جس نے اتنی حسیں الجھنیں عطا کی ہیں
وہ مہ جبین کبھی دلگیر ہو خدا نہ کرے

میں جام اٹھاؤں مگر تجھ سے مشورہ نہ کروں
غمِ زمانہ! یہ تقصیر ہو خدا نہ کرے

خدا امان میں رکھے ترے نشیمن کو
مجھے بھی حسرتِ تعمیر ہو خدا نہ کرے

مرا نصیب عدمؔ اک شراب خانہ ہے
مجھے شکایتِ تقدیر ہو خدا نہ کرے

○

ترے عتاب سے کتنی پناہ کی ہم نے
نہ کوئی اشک بہایا نہ آہ کی ہم نے

مشاہدے کو کچھ اپنی بھی آگہی نہ رہی
وفورِ شوق میں ایسی نگاہ کی ہم نے

کوئی گناہ نہ ہر چند ہو سکا سرزد
بہت پرستشِ ذوقِ گناہ کی ہم نے

تجھے بھی ہم سے شکایت ہے اے دلِ ناداں
ترے لیے تو جوانی تباہ کی ہم نے

عدم ہماری جوانی ہماری دولت تھی
بڑی فراخدلی سے تباہ کی ہم نے

○

عجیب کیا ہے کوئی بات ہو گئی ہو گی
مسافروں کو کہیں رات ہو گئی ہو گی

گیا تھا دل مگر اب تک نہیں ہوا واپس
کسی حسیں سے ملاقات ہو گئی ہو گی

ہجوم حشر میں جب وہ ہمیں ملے ہوں گے
عجیب صورتِ حالات ہو گئی ہو گی

بکھر رہی تھی وہ زلفِ دراز خم خم کر
بکھر کے چشمۂ ظلمات ہو گئی ہو گی

شبِ الم کے تعاقب میں کون جائے عدمؔ
کہیں رہینِ خرابات ہو گئی ہو گی

○

غم کے ماروں کو کون پوچھے گا
بے سہاروں کو کون پوچھے گا

ہوش مندوں کو پوچھے ڈالو
بادہ خواروں کو کون پوچھے گا

جام و مینا طلوع ہوتے ہیں
چاند تاروں کو کون پوچھے گا

اٹھ گئے جب فقیر رستے سے
رہگزاروں کو کون پوچھے گا

اے عدمؔ ان سے خود ملو جا کر
انتظاروں کو کون پوچھے گا

○

اعتبارِ وفا نہیں کرتے　　لوگ کوئی خطا نہیں کرتے

حشر کا کون اعتبار کرے　　آپ وعدہ وفا نہیں کرتے

بات کرتے ہیں اہلِ دنیا کی　　آپ کا تو گلا نہیں کرتے

اب جفا کی بہت ضرورت تھی　　اب وہ کوئی جفا نہیں کرتے

ہم تو بدنام ہیں عدمؔ یونہی
لوگ دنیا میں کیا نہیں کرتے

○

وہ فرشِ سبزہ پہ یوں نرم گام چلتا ہے
کہ جیسے چرخ پہ ماہِ تمام چلتا ہے
اِدھر تو گردشِ ایام کیسے آ نکلی!
یہ میکدہ ہے یہاں دورِ جام چلتا ہے
ترے فراق کے لمحے بسر نہیں ہوتے
اگرچہ وقت بہت تیز گام چلتا ہے
فریب دیجئے لیکن کسی سلیقے سے
دروغِ مصلحت آمیز عام چلتا ہے

نہ آنسوؤں کی کمی ہے نہ قحط آہوں کا
ترے کرم سے فقیروں کا کام چلتا ہے
بڑے خلوص سے دل ٹوٹتے ہیں راہوں میں
کچھ اس ادا سے وہ محشر خرام چلتا ہے
پگھل ہی جائیں گے دل اے عدمؔ حسینوں کے
کہ پتھروں پہ بھی سحرِ کلام چلتا ہے

o

فلک پہ رات کو جب ماہ تاب ہوتا ہے
مرے سبو سے رواں آفتاب ہوتا ہے

تمہاری شکل کوئی کس طرح سے پہچانے
تمہارے رُخ پہ ہمیشہ نقاب ہوتا ہے

یہ برگِ زرد، یہ کہرہ، یہ دھوپ کی کرنیں
خزاں کا روپ بھی کیا لاجواب ہوتا ہے

ہماری خانہ خرابی کی کوششیں کر کے
غمِ زمانہ بھی کتنا خراب ہوتا ہے

کلی چٹک کے پریشان ہوتی جاتی ہے
یہ واقعات میں کیا انقلاب ہوتا ہے
تم آنا چاہو تو مشکل نہیں کچھ آنے میں
زمانہ رات کو مصروفِ خواب ہوتا ہے
ہم ان کے عشق میں ہیں اتنے غیر حال عدمؔ
کہ جس طرح کوئی غرقِ شراب ہوتا ہے

○

نہ آس ہے نہ کوئی انتظار بیٹھے ہیں

تھکے ہوئے ہیں سرِ رہگذار بیٹھے ہیں

گلا نہ کر کہ تجسس نہیں کیا تیرا

اڑا کے دیر و حرم کا غبار بیٹھے ہیں

یہ وقتِ شام، یہ جنگل، یہ کنجِ تنہائی

بڑا سکوں ہے بڑے بے قرار بیٹھے ہیں

چلے تھے جو بڑی تمکیں سے رہبری کے لیے

وہ تیز گام تو ہمت بھی ہار بیٹھے ہیں

بہارِ آئینہ دل سے اب نہ جائے گی
کچھ اس طرح ترے نقش و نگار بیٹھے ہیں
سنو فسانۂ عہدِ بہار کانٹوں سے
یہ باخبر یہاں عمر بس گذار بیٹھے ہیں
میں بزمِ حشر کو لے کر عدم نہ اڑ جاؤں
کہ میرے سامنے وہ شرمسار بیٹھے ہیں

○

وہ بیمار غنچے وہ غمگیں بہاریں — مری زندگی کی حسیں یادگاریں
میں آواز دیتا رہا ساتھیوں کو — گزرتی گئیں زندگی کی بہاریں
ادھر آ غمِ زندگی چند لمحے — خرابات کی رونقوں میں گزاریں
کبھی ایسے لمحے پھر آئیں میسّر — میں ساغر اٹھاؤں وہ گیسو سنواریں

عدمؔ جل اٹھیں دیر و کعبہ کے پردے
خدا کو کسی روز ایسے پکاریں

○

وہی ابتلا ہے وہی بے کلی ہے — مگر خیر اک آرزو تو چلی ہے

بڑی دیر کے بعد مانا ہے دل نے — زمانے سے نا آشنائی بھلی ہے

صراحی سے ابھرے ہیں ڈوبے ستارے — پیالوں میں عمر گذشتہ ڈھلی ہے

ہوا کے تھپیڑوں کو نیند آ رہی ہے — نہ جانے کدھر آج کشتی چلی ہے

جسے پھول سمجھا ہے بیدرد گلچیں — وہ کم بخت اک نوشگفتہ کلی ہے

مجھے اے عدم کیا اندھیروں کا کھٹکا
مرے جام میں چاندنی کی ڈلی ہے

○

دلنوازی کی کوئی بات، ہوئے دیر ہوئی
دن ہوئے دیر ہوئی رات ہوئے دیر ہوئی

عقل کو راہ پہ آئے ہوئے عرصہ گزرا
ہوش کو غرقِ خرابات ہوئے دیر ہوئی

لوگ کہتے ہیں تو پھر ٹھیک ہی کہتے ہوں گے
لوگ کہتے ہیں کہ برسات ہوئے دیر ہوئی

ہنس ہی لیتے تھے کبھی جبر سے ہم بھی لیکن
بندہ پرور یہ کرامات ہوئے دیر ہوئی

آج اے گردشِ ایام کوئی کام تو کر
اس پری رو سے ملاقات ہوئے دیر ہوئی

میکدے پر کوئی بجلی نہ گرے اے ساقی
شور برپا ہے کہ خیرات ہوئے دیر ہوئی

تو سمجھتا ہے کہ میں کھیل رہا ہوں تجھ سے
مجھ کو اے جانِ عدمؔ مات ہوئے دیر ہوئی

عقل کم بخت یونہی ہاتھ ملا کرتی ہے
زندگی دل کی نصیحت پہ چلا کرتی ہے

چاندنی رات میں جب جشن مناتا ہے شباب
ہائے! کیا چیز پیالوں میں ڈھلا کرتی ہے

زلفِ مشکیں کو مری جان پریشان نہ کرو
بات چھڑ جائے تو تا دیر چلا کرتی ہے

جب کسی چاند سی صورت سے محبت ہو جائے
دل کے ہمراہ جوانی بھی جلا کرتی ہے

اے عدم عہدِ جوانی کسی چشمے پہ گزار
دوپہر ہے بڑی مشکل سے ڈھلا کرتی ہے

○

میں بھی نادم نہ ہوا، وہ بھی پشیماں نہ ہوا
فائدہ کچھ نہ ہوا تو کوئی نقصاں نہ ہوا

ایک ہی بار تری شکل کا عرفاں تھا محال
دوسری بار کوئی آئینہ حیراں نہ ہوا

ناؤ منجدھار سے ٹکرا کے سلامت آجائے
اک تماشا ہوا گہوارۂ طوفاں نہ ہوا

عمر بھر طنز سے جینے ہی نہ دیتی دنیا
خیر گزری کہ مرے گھر میں وہ مہماں نہ ہوا

ان کی زلفوں کی بھی شامل تھی ذرا سی الجھن
مختصر سلسلۂ گردشِ دوراں نہ ہوا

فصلِ گل آئی بھی اور ہو گئی رخصت بھی مگر
ہم غریبوں کو کچھ احساسِ بہاراں نہ ہوا

میری بربادِ محبت کا فسانہ مت پوچھ
ایک تصویر تھی جس کا کوئی عنواں نہ ہوا

کونسی آس تھی بر آئی جو ہستی میں عدمؔ
کونسا خواب تھا جو خوابِ پریشاں نہ ہوا

○

جانِ من آپ ایک کام کریں — اپنے الزام میرے نام کریں
آپ کی تمکنت کی عمر دراز — ہم فقیروں کا احترام کریں
بندہ پرور بہار کی رُت ہے — مسکرا کر ذرا کلام کریں
ایک دو ساغروں سے کیا ہوگا — کوئی معقول انتظام کریں
اے عدمؔ روز کا یہ جھگڑا کیا
بات کا سلسلہ تمام کریں

○

عمر گھٹتی رہی خبر نہ ہوئی ۔۔۔ وقت کی بات وقت پر نہ ہوئی

کر گئی کام دل کی بیماری ۔۔۔ کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی

جب سے آوارگی کو ترک کیا ۔۔۔ زندگی لطف سے بسر نہ ہوئی

بارہا شرمسار ہونا پڑا ۔۔۔ وقت پہ کوئی چیز گھر نہ ہوئی

آپ اجازت تو دیں تکلم کی ۔۔۔ گفتگو کیا جو با اثر نہ ہوئی

آشیانے سلگ اٹھے لیکن ۔۔۔ بجلیوں کو کوئی خبر نہ ہوئی

اس کی زلفوں سے مشورہ بھی کیا ۔۔۔ داستاں پھر بھی مختصر نہ ہوئی

زندگی کا معاملہ مت پوچھ
کٹ گئی گو عدمؔ بسر نہ ہوئی

○

افسانہ چاہتے تھے وہ، افسانہ بن گیا
میں حسنِ اتفاق سے دیوانہ بن گیا

جو زلف منتشر ہوئی زنجیر بن گئی
جو حرف مختصر ہوا افسانہ بن گیا

دیوانگی کی شرط کچھ اتنی عجیب تھی
جس میں ذرا سی عقل تھی فرزانہ بن گیا

آیا تھا میرے ساتھ، مگر بد دماغ دل
موسم کا رنگ دیکھ کے بیگانہ بن گیا

حیرت مجھے بھی ہے مگر اے چشمِ باخبر
کچھ تو ضرور ہو گا جو افسانہ بن گیا

سن سن کے رشک سے مرے حالات اے عدمؔ
جو صاحبِ خرد تھا وہ دیوانہ بن گیا

○

یہ اختلافِ آب و ہوا کیا کمال ہے
کل دل بہت اداس تھا امشب بحال ہے

اس قیمتی دروغ پہ گہری نظر نہ ڈال
دنیا نگار خانۂ خواب و خیال ہے

تجھ سے بھی زندگی نے کیا ہے وہی سلوک
اس حادثے کا مجھ کو ذرا سا ملال ہے

مجھ پر حضور چشمِ عنایت نہ کیجیے!
میں مطمئن ہوں میری طبیعت بحال ہے

بیٹھے ہیں فرشِ گل پہ وہ زلفیں بکھیر کر
اور سر پہ شبِ خرام ستاروں کا جال ہے

کہتے ہیں میکدے کی ہوا ہے سرور بخش!

کیوں اے غمِ حیات ترا کیا خیال ہے؟

ہر چیز کے لیے ہے کسی چیز کی طلب

جز شاہد و شراب جوانی وبال ہے

جی چاہتا ہے دل اسی ظالم کو سونپ دوں

اور مسکرا کے پوچھوں کہو! کیسا حال ہے

تو میکدے میں آنکھ ملائے عدمؔ کے ساتھ

اے گردشِ زمانہ تیری کیا مجال ہے

○

اسباب سازگار نہیں ہیں تو کیا ہوا
حالات خوشگوار نہیں ہیں تو کیا ہوا

تارے ہیں، ابجو ہے، ہوائیں ہیں پھول ہیں
ہم مجلسی کو یار نہیں ہیں تو کیا ہوا

تم اپنی کاکلوں کو جھٹک کر تو دیکھ لو
ہم قائل بہار نہیں ہیں تو کیا ہوا

ساقی اگر مصر ہے پلانے پہ ایک جام
پی لیں گے میگسار نہیں ہیں تو کیا ہوا

ہے زندگی بجائے خود اک دلفریب غم
مرہونِ زلفِ یار نہیں ہیں تو کیا ہوا

ہم فصلِ گل پہ جان چھڑک دیں گے اے عدمؔ
دامن میں چند تار نہیں ہیں تو کیا ہوا

○

دو چار دن کی بات ہے کیا فکر کیجیے
دورِ غمِ حیات ہے کیا فکر کیجیے

اک زندگی کی صبح ہے کیا کیجیے ملال
اک زندگی کی رات ہے کیا فکر کیجیے

ہر چیز صبح و شام تغیر پذیر ہے
دستورِ کائنات ہے کیا فکر کیجیے

آ جائے گی ضرور سحر اپنے وقت پر
غم کی طویل رات ہے کیا فکر کیجیے

اس بزمِ حادثات کا ہر حادثہ عدم
اک سرسری سی بات ہے کیا فکر کیجیے

○

ساز نہیں ہے جام نہیں ہے
رونقِ صبح و شام نہیں ہے

میخانہ ہے سُونا سُونا
ساقیٔ گل اندام نہیں ہے

اے دل والو کیوں ڈرتے ہو
گیسوئے جاناں دام نہیں ہے

دل کا تماشا دیکھ رہے ہیں
آپ سے کوئی کام نہیں ہے

یوں تو عدمؔ خنداں ہے طبیعت
دل کو مگر آرام نہیں ہے

○

ان کا تغافل کام نہ آیا پیاس نہ بھڑکی جام نہ آیا
دل کا تجسس اب کیا کہیے صبح کا بھولا شام نہ آیا
اف ری محبت کی بیماری جان گئی آرام نہ آیا
دل میں تمہارا درد تو اٹھا لب پہ تمہارا نام نہ آیا

ہم پہ عدمؔ ہر تہمت آئی
ان پہ کوئی الزام نہ آیا

○

اداس اداس گلستان سلام کہتے ہیں
تمہیں بہار کے ارماں سلام کہتے ہیں

پھر آگیا ہے چمن میں بہار کا موسم
ہجومِ سنبل و ریحاں سلام کہتے ہیں

قبا کو کھول دو، زلفوں کو منتشر کر دو
کہ گل فروشِ شبستاں سلام کہتے ہیں

چلو کہ شامِ بہاراں دعائیں دیتی ہے
اٹھو کہ شہرِ فروزاں سلام کہتے ہیں

طلوع ہوتے ہیں شب کو جو نوکِ شیشہ سے
وہ آفتابِ درخشاں سلام کہتے ہیں

مغنیوں کی دھنیں انتظار کرتی ہیں
مصوّروں کے دل و جان سلام کہتے ہیں

عدمؔ کے ساتھ جنہیں تم ملے تھے گلیوں میں
وہ واقعاتِ غزل خواں سلام کہتے ہیں

○

تری جفاؤں کا شکوہ ضرور کرنا ہے
قصور ہے تو یہ دلکش قصور کرنا ہے
خرد کو کس لیے دیتے ہو انتظامِ جنوں
یہ پلصراط خرد نے عبور کرنا ہے!
نہ کوئی نقش ہے دل میں نہ داغ ہے کوئی
اس آئینے کو کسی روز چور کرنا ہے
نہیں پتنگے پہ موقوف رونقِ محفل
نثار ہم نے بھی دل کو حضور کرنا ہے
ہے انکسار کا مطلب اگر غرور عدمؔ
تو کیا تکلفِ ترکِ غرور کرنا ہے

○

اگرچہ دیر سے تیرے حضور بیٹھے ہیں
ترے حضور نہیں، تجھ سے دور بیٹھے ہیں

ہجومِ حشر میں دیکھے تو ان کی شکل کوئی
بہت بھلے ہیں بڑے بے قصور بیٹھے ہیں

تمہاری یاد کہاں طے کرے گی یہ منزل
ہم آپ اپنے تصور سے دور بیٹھے ہیں

ہے سنگِ میل کے گرد اک لطیف خوشبوی
یہاں حسین مسافر ضرور بیٹھے ہیں

نہ چھیڑ راہ نشینوں کو اے ہوائے چمن
یہ لوگ راہ کی کلفت سے چور بیٹھے ہیں

اگرچہ بیٹھے ہیں منزل کے ہم قریب عدمؔ
مگر خیال یہی ہے کہ دور بیٹھے ہیں

○

ہجومِ یاس سے جب ہم اداس ہوتے ہیں
خیال ہے وہ کہیں آس پاس ہوتے ہیں

لباسِ رنگِ نظر سے اتار دے اے دل
یہ شعبدے تو نگوں کا لباس ہوتے ہیں

مرے ندیم وہ لمحات کتنے دلکش ہیں
ترے خیال میں جب ہم اداس ہوتے ہیں

خبر نہیں یہ روایت ہے یا حقیقت ہے
سنا تو ہے وہ رگِ جاں کے پاس ہوتے ہیں

نہ گرد جھاڑ عدمؔ میرے جیب و داماں کی
مسافروں کو بگولے ہی راس ہوتے ہیں

○

خواہشیں خواب ہوتی جاتی ہیں
بجلیاں آب ہوتی جاتی ہیں
جرأتیں ان سے بات کرنے کی
صرفِ آداب ہوتی جاتی ہیں
آرزوؤں کا ماجرا مت پوچھ
سبز و شاداب ہوتی جاتی ہیں
آپ کی شوخیاں جوان ہو کر
برق و سیماب ہوتی جاتی ہیں
صحبتیں اے عدم جوانی کی
عالمِ خواب ہوتی جاتی ہیں

○

اس کا نقشہ ہے یہ جوانی میں
چاند ڈوبا ہو جیسے پانی میں

سننے والوں کو نیند آنے لگی
کتنی تاثیر تھی کہانی میں

جب ستم سے نہ کام بر آئے
ڈوب جاتے ہیں مہربانی میں

جس قدر احتیاط کی ہم نے
کھو گئی بات بدگمانی میں

چند آہیں بھری تھیں ہم نے بھی
اے عدم عالم جوانی میں

○

فرصت کے سہانے لمحوں میں کیا کام کی باتیں ہوتی ہیں
یا قصہ یار کا ہوتا ہے یا جام کی باتیں ہوتی ہیں

اے دوست تبسم کی لہریں ہونٹوں پہ کہاں سے اب لاؤں
حالات کے میلے ہوتے ہیں، ایام کی باتیں ہوتی ہیں

ارباب خرد کی محفل میں دل اور پریشاں ہوتا ہے
کچھ سوچ کے وقفے ہوتے ہیں کچھ کام کی باتیں ہوتی ہیں

آلام زمانہ فرصت دیں تو بیٹھ کے دل کا حال کہیں
اس زلف مسلسل کی باتیں، آرام کی باتیں ہوتی ہیں

جو شعر ہمارے سنتے ہیں ہستی سے عدمؔ سر دھنتے ہیں
ہم اہل طریقت کی باتیں الہام کی باتیں ہوتی ہیں

○

پھولوں کا تبسم جھوم اٹھا، لہروں کی روانی جھوم اٹھی
احساسِ محبت کیا جاگا، نادان جوانی جھوم اٹھی

افسانہ سرا نے بہتیرا مربوط کیا افسانے کو
انجام سے پہلے ہی لیکن، نادان کہانی جھوم اٹھی

جس رات بھی دو لمحوں کے لیے ہم گھر میں فراغت سے بیٹھے
بے ساختہ گھر کی رونق پر من کی ویرانی جھوم اٹھی

خوشبو کی یہ مستانہ لہریں کس باغ سے اڑ کر آئی ہیں
یا زلفیں یار کی بکھری ہیں، یا رات کی رانی جھوم اٹھی

پھولوں نے جگر کے چاک عدم سو بار دکھائے گو اس کو
نادان کلی نے پھولوں کی اک بات نہ مانی جھوم اٹھی

○

جینے کے لیے ارمانوں کی سرکار ضرورت پڑتی ہے
پینے کے لیے پیمانوں کی سرکار ضرورت پڑتی ہے
ایسا بھی کبھی ہو جاتا ہے آپ ایسے امیر انسانوں کو
ہم ایسے غریب انسانوں کی سرکار ضرورت پڑتی ہے
جب شمع فروزاں ہو تنہا، ماحول فسردہ رہتا ہے
رونق کے لیے پروانوں کی سرکار ضرورت پڑتی ہے
ہر شخص حقائق کی تلخی سے اتنا پریشاں ہوتا ہے
ہر شخص کو کچھ افسانوں کی سرکار ضرورت پڑتی ہے
جس موسم میں در آتے ہیں ہر گھر میں عدمؔ سے دیوانے
اس موسم میں دربانوں کی سرکار ضرورت پڑتی ہے

○

مے نوشی کی ترغیبیں بھی ہوش کے جھوٹے حیلے ہیں

جن نینوں میں امرت ہے وہ نین بڑے زہریلے ہیں

اے گلچیں ان کلیوں کو کچھ نشو و نما تو پانے دے

ان کلیوں کے نازک نازک انگ بڑے لچکیلے ہیں

صرصرِ دوراں میخانے میں رنگ نہ تیرا اڑ جائے

اس گلشن میں کھلنے والے پھول بہت چمکیلے ہیں

دیکھنے والے ہوش میں رہنا سب دھوکا ہی دھوکا ہے

جسم بڑے بدصورت ہیں ملبوس بڑے بھڑکیلے ہیں

شیخ و برہمن دونوں کی محشر میں عدمؔ یہ حالت ہے

ان کے رنگ بھی پیلے ہیں اور ان کے رنگ بھی پیلے ہیں

○

دل ہمارا جو پائمال ہوا — آپ کو کس لیے ملال ہوا

بڑھ گئیں الجھنیں طبیعت کی — اس کی زلفوں کا جب خیال ہوا

سی لیے ہونٹ درد مندوں نے — یوں بھی زخموں کا اندمال ہوا

زندگی تھی کہ اک حسین نداق — جان نکلی تو جی بحال ہوا

اے عدمؔ میری زود مرگی کا
دوستوں کو بہت ملال ہوا

○

دل نظر کا جواب ہو جائے
آبگینہ شراب ہو جائے

حشر کا عذر بھی خدا نہ کرے
تیرا عہد شباب ہو جائے

جس گل پہ پڑے نظر اس کی
لہلہا کر گلاب ہو جائے

زندگی نام ہے خرابی کا
کاش یکسر خراب ہو جائے

غم دوراں سے معذرت کیسی
یہ بھی غرق شراب ہو جائے

پھر فریب ایسا دیجئے کوئی
تجربہ لاجواب ہو جائے

موت آئے تو اے عدم شاید
چارۂ اضطراب ہو جائے

○

تکلیف میں جو لب پہ ترا نام آگیا
کچھ درد بڑھ گیا ذرا آرام آگیا

میں جا رہا تھا تیرے تصور کے ساتھ ساتھ
رستے میں یونہی عالمِ اجسام آگیا

ہم کو توبہ کے باب میں صرف اتنا علم ہے
جب بھی مطالبہ کیا اک جام آگیا

تھی وقتِ مے کشی بھی وہ بیداریٔ حواس
ساغر کے ساتھ سایۂ آلام آگیا

ہم نے تمہارے بعد نہ رکھی کسی سے آس
اک تجربہ بہت تھا بڑے کام آگیا

اے کاش کوئی جھوٹ ہی آکر کہے مجھے
اٹھ بھی عدم کہ ساقی گلفام آگیا

○

شامِ فراق کم نہیں روزِ شمار سے
کرتے ہیں ذکرِ حشر کا کس اعتبار سے

بادہ کشی حرام ہے یا زندگی حرام
تصدیق کر رہا ہوں غمِ روزگار سے

ساقی شراب حسبِ ضرورت منگا کے رکھ
عمرِ خزاں طویل ہے عہدِ بہار سے

اِک جامِ زہر ہی کوئی دیتا خلوص سے
اتنا بھی ہو سکا نہ کسی غمگسار سے

خوشبو ترے بدن کی ہے اس میں بسی ہوئی
ساقی لپٹ نہ جاؤں شبِ انتظار سے

مفہوم گفتگو کا ملے بھی تو کیا عدمؔ
کرتے ہیں گفتگو وہ بڑے اختصار سے

○

بر اسرار رندوں کے تولے ہوئے ہیں

ترے نین بھی آج ڈولے ہوئے ہیں

نہ جانا چمن میں کہ اہلِ چمن نے

مہکتے ہوئے دام کھولے ہوئے ہیں

نہ اترا ارے او فریبی زمانے

ترے شبد سے سب ٹٹولے ہوئے ہیں

نئی بات اس میں نہیں کوئی مو سے

وہ ہم سے بھی اک بار بولے ہوئے ہیں

عدم غرقِ مستی ہے اور زندگی نے

مصائب کے دیوان کھولے ہوئے ہیں

○

تری زلف زنجیر سی بن گئی ہے
یہ الجھن بھی تقدیر سی بن گئی ہے
ترا ذکر آرام جاں ہو گیا ہے
محبت تری تیر سی بن گئی ہے
مری خامشی ضبط کی کوششوں میں
کئی بار تقریر سی بن گئی ہے
ترا ذکر جب بھی کہیں آ گیا ہے
مری شکل تصویر سی بن گئی ہے
عدمؔ سانس لینے کی ہمت نہیں تھی
مگر ایک تدبیر سی بن گئی ہے

○

ان سے گفت و شنید ہو جاتی — بات بنتی تو عید ہو جاتی

تم نے اچھا کیا نگاہ نہ کی — عادتِ باز دید ہو جاتی

آپ پل بھر اگر چلے آتے — رات یومِ سعید ہو جاتی

موت آتی اگر سلیقے سے — زندگی کی نوید ہو جاتی

میکدہ بند ہے عدمؔ ورنہ
نصف شب کو بھی عید ہو جاتی

○

دل کے ارماں نکل ہی جاتے ہیں
کاغذی پھول جل ہی جاتے ہیں

تجربہ آنکھ کھول دیتا ہے
گرنے والے سنبھل ہی جاتے ہیں

عقل والوں کی سادگی مت پوچھ
میری باتوں میں ڈھل ہی جاتے ہیں

بجلیوں کا کوئی قصور نہیں!!
آشیانے ہیں، جل ہی جاتے ہیں

دل پہ جب بوجھ ہو عدمؔ غم کا
چند آنسو نکل ہی جاتے ہیں

○

کبھی تنہائیوں میں جب جوانی یاد آتی ہے
بڑی حسرت سے مرگِ ناگہانی یاد آتی ہے

تری زلفوں کی لہریں اس طرح پھرتی ہیں آنکھوں میں
کہ جیسے آئینے کو نوحہ خوانی یاد آتی ہے

زمانہ جب تری رفتار کی تعریف کرتا ہے
مجھے اپنی طبیعت کی روانی یاد آتی ہے

خدا سے جب بہت مایوس ہو جاتی ہیں امیدیں
تو اکثر مہ وشوں کی مہربانی یاد آتی ہے

عدمؔ عمرِ گذشتہ کا تصور اتنا دھندلا ہے
کہ جیسے خواب میں کوئی کہانی یاد آتی ہے

○

خرد بھی اسیرِ نظر ہو گئی
تری آنکھ بھی کار گر ہو گئی

روا تھا خدا کو بھی سجدہ مگر
جبیں آپ کا سنگِ در ہو گئی

شبِ غم کا کٹنا تو ممکن نہ تھا
مگر ہوتے ہوتے سحر ہو گئی

کوئی اور دل ڈھونڈیئے گا حضور
وہ بستی تو زیر و زبر ہو گئی

جہاں کہنے والے کو لغزش ہوئی
وہیں داستاں مختصر ہو گئی

سفر کے مراحل تو دشوار تھے
تری آرزو ہم سفر ہو گئی

عدمؔ زندگی کی حکایت نہ پوچھ
نہ معلوم کیسے بسر ہو گئی

○

شکرِ احسان و التفات کریں

تم کو فرصت ہو کچھ تو بات کریں

مختصر ہے بہت ہی فرصتِ زیست

ان سے کیا عرضِ خواہشات کریں

مےکدے سے کہ تیری آنکھوں سے

کس سے قطعِ تعلقات کریں

آپ کی زلف اگر اجازت دے

عرضِ ناسازیِ حیات کریں

اے عدمؔ آج تھام لیں ان کو

روز کیا دل لگی کی بات کریں

○

پھولوں کی آرزو میں بڑے زخم کھائے ہیں
لیکن چمن کے خار بھی اب تک پرائے ہیں

اس پر حرام ہیں غمِ دوراں کی تلخیاں
جس کے نصیب میں تری زلفوں کے سائے ہیں

روشن کئے ہیں دل میں تمناؤں کے چراغ
ویران بستیوں میں مسافر بسائے ہیں

محشر میں لے گئی تھی طبیعت کی سادگی
لیکن بڑے خلوص سے ہم لوٹ آئے ہیں

آیا ہوں یاد بعدِ فنا ان کو اے عدمؔ
کیا جلد میرے صدق پہ ایمان لائے ہیں

○

عالم تو دیکھنا ذرا اٹھتی گھٹاؤں کا
نقشہ کھنچا ہوا ہے ہماری خطاؤں کا

جی چاہتا ہے چاندنی راتوں کی یاد میں
منہ چوم لوں بہار کی کالی گھٹاؤں کا

فرصت نہیں ہے ان کو جفا کی بھی اور ہم
بے وجہ کر رہے ہیں تکلف وفاؤں کا

اس وقت صرف زہر کا اک گھونٹ چاہیئے
اے چارہ ساز وقت نہیں ہے دواؤں کا

دے ساغرِ شراب کہ ابرِ رواں عدمؔ
اک رنگِ منتقل ہے ہماری دعاؤں کا

○

یوں سازِ نوبہار کی آواز آگئی
ٹوٹے ہوئے پروں کو بھی پرواز آگئی

کھولی تھی ہم نے آنکھ کہ عیارِ زندگی
لے کر بہار و میکدہ و ساز آگئی

اک سمت میں تھا ایک طرف دو جہاں کے غم
پر درمیاں میں وہ نگہِ ناز آگئی

بیٹھے تھے ساکنانِ قفس یونہی نا امید
اڑنے لگے تو طاقتِ پرواز آگئی

میں کھو چلا تھا دشتِ تجسس میں اے عدمؔ
لیکن کوئی سنی ہوئی آواز آگئی

○

غرقِ ظلمات ہوتی جاتی ہے — زندگی رات ہوتی جاتی ہے

عقل جتنا سنبھل کے چلتی ہے — عقل کو مات ہوتی جاتی ہے

زندگی کے نظام میں حائل — آپ کی ذات ہوتی جاتی ہے

دور ہیں آ رہے ہیں پہچانے — چاندنی رات ہوتی جاتی ہے

اے عدمؔ گو ہزارہا غم ہیں
بسر اوقات ہو جاتی ہے

○

کسی کی زلفِ مسلسل سے رسم و راہ کریں
خیال ہے کہ کوئی مستقل گناہ کریں

نظر کو اس طرح تبدیل کر حکایت میں
کہ باخبر بھی نہ اندازۂ نگاہ کریں

حیات موت میں تبدیل ہوتی جاتی ہے
خدا کے واسطے آؤ کوئی گناہ کریں

یہ اذن دے کبھی اپنی حسین جفاؤں کو
مری جوان تمناؤں کو تباہ کریں

مری دعاؤں میں اتنا تو حسن ہو یا رب
ترے کرم کو بھی آمادۂ گناہ کریں

غمِ زمانہ سے لینا ہے انتقام اگر
غمِ زمانہ سے پہلے تمدم نباہ کریں

○

کل پریشاں تھا آج ٹھیک نہیں
زندگی کا مزاج ٹھیک نہیں

چارہ گر کیوں خراب ہوتا ہے
دردِ دل کا علاج ٹھیک نہیں

کوئی سرمست، کوئی افسردہ
میکدے کا رواج ٹھیک نہیں

اے دلِ بے قرار چین بھی لے
رات دن اختلاج ٹھیک نہیں

اے عدمؔ مے کے آبگینے میں
زہر کا امتزاج ٹھیک نہیں

○

پھول ہیں ، ساز ہیں ، پیالے ہیں
میکدوں میں بڑے اجالے ہیں

موت بھی وقت پر نہیں آتی
زندگی کے ستم نرالے ہیں

بادہ خواروں نے آبگینوں میں
عارضی آفتاب ڈھالے ہیں

دل کو ٹھنڈا کیا ہے تھوڑا سا
دل کے ارمان کب نکالے ہیں

اک تبسم بھی جن کے بخت میں ہے
اے عدمؔ کیا نصیب والے ہیں

○

کس کی مدہوشی شریکِ ساز ہے — جو صدا ہے آپ کی آواز ہے
آپ اک انگڑائی لے کر دیکھ لیں — موسمِ گل مائلِ پرواز ہے
دوستی میں غم بھی ہوتے ہیں بہت — غور کر لیجئے ابھی آغاز ہے
عشق کی دیوانگی کا کیا علاج — عقل اک نادان چارہ ساز ہے
غنچہ و گل کی خموشی میں عدمؔ
کس حسیں بیمار کی آواز ہے

○

اے دلِ ناشاد کیوں دلگیر ہے　　زندگی اک خوشنما زنجیر ہے

میری حالت کا نہ غم فرمایئے　　آپ کی کھینچی ہوئی تصویر ہے

اس کی آنکھوں کا سہارا کون لے　　میکشی رسوائی کی تدبیر ہے

زندگی کا مدعا مت پوچھیے　　زندگی اک خواب بے تعبیر ہے

اے عدمؔ چشمِ غزالاں کا سکوت

اک شراب آلودسی تقریر ہے

○

آغازِ داستاں کا ارادہ نہ کیجیے
ملئے پر امتحاں کا ارادہ نہ کیجیے

یا گیسوؤں کو کھول کے چلیے بہار میں
یا سیرِ گلستاں کا ارادہ نہ کیجیے

پڑتا ہے اہلِ باغ کی تفریح میں خلل
اس باغ میں فغاں کا ارادہ نہ کیجیے

تعمیرِ آشیاں کی ضرورت بھی ہے کوئی
تعمیرِ آشیاں کا ارادہ نہ کیجیے

کوئے نگار و کوئے خرابات ایک ہے
حیران ہیں کہاں کا ارادہ نہ کیجیے

اب میکدے میں لوگ ہیں ویسے نہ وہ سلوک
جانِ عدم وہاں کا ارادہ نہ کیجیے

○

تھا چاک دل بھی چاکِ گریباں کے ساتھ ساتھ
وہ آپ بھی تھے گردشِ دوراں کے ساتھ ساتھ

مت پوچھ کتنی دورِ جوانی نکل گئی
دیوانگی ہیں عمرِ گریزاں کے ساتھ ساتھ

کس گھاٹ جا لگی نہیں اس کی کوئی خبر
کشتی گئی تو تھی کہیں طوفاں کے ساتھ ساتھ

اس کا بھی کچھ خیال رہے اے مدیرِ حشر
دنیا کے حادثات تھے انساں کے ساتھ ساتھ

اک دل تھا صبح تک جو سلگتا رہا عدمؔ
اس مہ جبیں کی شمعِ شبستاں کے ساتھ ساتھ

○

بیتے ہوئے دنوں کی کوئی بات چھیڑ دے
زلفیں بکھیر اور حکایات چھیڑ دے

غمہائے روزگار کی نیّت خراب ہے
چپکے سے اٹھ کے سازِ خرابات چھیڑ دے

ایسی کمند پھینک جو رحمت کو کھینچ لائے
ایسی نگاہ ڈال کہ برسات چھیڑ دے

مدّت ہوئی ہے رقصِ عقیدت کئے ہوئے
پھر کوئی رنگ بار مناجات چھیڑ دے

کٹتی ہے زندگی انہی حیلوں سے اے عدمؔ
بیٹھا ہے کیوں خموش کوئی بات چھیڑ دے

○

زندہ دلی کو کثرتِ افکار کھا گئی
بنیاد کے غرور کو دیوار کھا گئی

غائب ہے میرا نامۂ اعمال حشر میں
رحمت تری متاعِ گنہگار کھا گئی

اتنے حسین تھے غمِ ہستی کے شعبدے
جو چشم باخبر تھی وہی مار کھا گئی

کچھ وہ ہیں جن کو کثرتِ افکار لے گئی
کچھ وہ ہیں جن کو فرصتِ بیکار کھا گئی

رکھتے تھے ہم بھی جنسِ دلِ بے بہا عدمؔ
لیکن اسے نگاہِ خریدار کھا گئی

○

یہ کیسی رات خالی جا رہی ہے بھری برسات خالی جا رہی ہے
ہماری بات ہوتی تو الگ تھا تمہاری بات خالی جا رہی ہے
کبھی قحطِ وفا بھی قیمتی تھا اور اب بہتات خالی جا رہی ہے
مری مفلس جوانی لٹ لٹا کر ترے دیہات خالی جا رہی ہے
عدمؔ برکھا کا کتنا شور و غل تھا
مگر برسات خالی جا رہی ہے

ہوا میں بوئے مستانہ نہیں ہے
کہیں نزدیک میخانہ نہیں ہے

زمانے کو پرکھ کر بات کرنا
ہر اک انسان دیوانہ نہیں ہے

ارے او لڑکھڑا کر چلنے والے
رہِ ہستی ہے میخانہ نہیں ہے

ادھر آ چوم لوں تیرے لبوں کو
یہ سرخی بھی تو افسانہ نہیں ہے

عدم آباد ہیں دل میں بیاباں
خدا کا شکر ویرانہ نہیں ہے

O

کہنے والے مری سرکار بجا کہتے ہیں!
آپ کے حسن کو قدرت کی خطا کہتے ہیں

آپ سے مل کے طبیعت کو وہ ملتا ہے سکوں
جس کو اربابِ خرد آبِ بقا کہتے ہیں

ہم کو فرصت نہیں موسیٰ کو کہو سن آئے
کیوں بلاتے ہیں وہ کیا کام ہے کیا کہتے ہیں

ٹھوکریں راہِ حوادث کی بُری چیز نہیں
بعض اوقات انہیں راہ نما کہتے ہیں

ہم نشیں صورتِ حالات سے مایوس نہ ہو

التجا دیر سے سنتا ہے خدا کہتے ہیں

دل کی تکلیف کا کیا کوئی مداوا ہوگا

زیست کو تیرے تغافل کی ادا کہتے ہیں

قابلِ رحم بنا دے جو ارادِ دل کو عدمؔ

اس پریشاں خیالی کو دعا کہتے ہیں

○

کوئی امید ہی بر آئی، نہ ارماں نکلا
زندگی بھی کسی کنجوس کا داماں نکلا

یوں ملاقات ہوئی نزع کی ساعت ان سے
جس طرح رات گئے، ماہ درخشاں نکلا

حادثاتِ غمِ ہستی نے توجہ کر کے
جس کو انسان بنایا، وہی انساں نکلا

حشر کے باب میں کچھ حسنِ گماں تھا ہم کو
وہ بھی اس شوخ کا بھولا ہوا پیماں نکلا

تیری تحقیق کے الزام سے بچنے کے لیے
میری تصویر کا ہر رنگ پریشاں نکلا

ڈوبنا ہو تو بڑے عذر نکل آتے ہیں
جس کنارے سے بھی ٹکرائے وہ طوفاں نکلا

اس طرف کوئی توجہ ہی نہ کی تھی ہم نے
گھر کو جب غور سے دیکھا تو بیاباں نکلا

عقلِ جاں کاہ تو خیر ایک مصیبت تھی عدمؔ
عشق بھی سلسلۂ زلفِ پریشاں نکلا

○

کام تقدیر کے کیا عقل سے آساں ہوں گے
جس قدر ہوش میں آئیں گے پریشاں ہوں گے

حشر میں لے ہی گئی صورتِ حالات اگر
صورتِ حال پہ وہ آپ بھی خنداں ہوں گے

میرے پہلو میں مہکتی ہوئی راتیں بس جائیں
آپ کے بال کبھی یوں بھی پریشاں ہوں گے

جن اندھیروں میں چراغوں سے اجالا نہ ہوا
وہ اندھیرے تری آنکھوں سے فروزاں ہوں گے

پھول ہیں اور بھلا ان کا مقدر کیا ہے
آج ثابت ہیں تو کل چاک گریباں ہوں گے

جن خیالوں سے فروزاں تھا شبستانِ حیات
کیا خبر تھی ترے بھولے ہوئے پیماں ہوں گے

زیست کو آگ لگانے کے لیے اب بھی عدمؔ
دل میں دو چار سلگتے ہوئے ارماں ہوں گے

○

بے وفا چاند ستاروں نے نہ پوچھا ہم کو
اتنے خود سر تھے نگاروں نے نہ پوچھا ہم کو
وقت تکلیف کا اے دوست جب آیا درپیش
غیر تو غیر ہیں یاروں نے نہ پوچھا ہم کو
جانے کیا بات تھی تکتے رہے خاموشی سے
ڈوبتے وقت کناروں نے نہ پوچھا ہم کو
آشنا تھے بہت اچھی طرح ہم سے لیکن
جان کر بادہ گساروں نے نہ پوچھا ہم کو
راہ رو کیوں کوئی دلجوئی کی زحمت کرتا
سنگدل راہ گزاروں نے نہ پوچھا ہم کو
دلِ غمگیں کا سہارا تھے کبھی یار عدمؔ
دلِ غمگین کے سہاروں نے نہ پوچھا ہم کو

○

کانپتے ہاتھ میں جب جامِ سفال آتا ہے
میری روٹھی ہوئی تقدیر کو حال آتا ہے

زلفِ مشکیں کو فضاؤں میں پریشاں کر دے
تیرے قربان بہاروں پہ زوال آتا ہے

پی کے اس طرح نکھرتی ہے جوانی اس کی
چاند پر جیسے کہ ہنگامِ کمال آتا ہے

چاندنی رات کے مفہوم کو روشن کر دو
میری آغوش میں وہ ماہِ جمال آتا ہے

اے خدا! کیا تری ہنستی ہوئی دنیا میں کبھی
ہم غریبوں کی خوشی کا بھی سوال آتا ہے

فصلِ گل آتی ہے جب صحنِ گلستاں میں عدم
مجھ کو ان مست نگاہوں کا خیال آتا ہے

•

○

میرے محبوب تری زلف پریشاں کیوں ہے

اتنا بے رحم مزاجِ غمِ دَوراں کیوں ہے

ساقیا آ! ترے دامن کا بھی درماں کردوں

موسمِ گُل کو گِلا ہے کہ گریباں کیوں ہے

میرے غمخانے کی مشعل کو بجھانے والے

تیرے ایوان کی قندیل فروزاں کیوں ہے

دل تو تھا ٹوٹ ہی جانا تھا بہرحال اسے

توڑنے والے! تری آنکھ پشیماں کیوں ہے

تم تو طوفان کو تفریح سمجھتے تھے عدمؔ

آج ساحل ہی پہ اندیشۂ طوفاں کیوں ہے

○

اے دلِ مضطرب اداس نہ ہو   زیست کو زہرِ غم بھی راس نہ ہو
کچھ نہیں زندگی کے دامن میں   کوئی مرہونِ التماس نہ ہو
نکہتِ گل کو کس نے دیکھا ہے   آپ کے گیسوؤں کی باس نہ ہو
کس تجاہل سے دیکھتا ہے ہمیں   بے مروت نظر شناس نہ ہو
اے عدمؔ خوش نہ ہو اگر کوئی
زندگی بھر کوئی اداس نہ ہو

○

یہ جو ارباب ناز ہوتے ہیں — انتہائے نیاز ہوتے ہیں
حرف آئے گا میری قسمت پر — آپ کیوں کارساز ہوتے ہیں
غمگساری کا قول مت دیجئے — غم بڑے جانگداز ہوتے ہیں
بادہ و مطرب و نگار و سبو — رازداروں کے راز ہوتے ہیں
میری بربادیوں کا حال نہ پوچھ — غم کے قصے دراز ہوتے ہیں
اے عدمؔ دل کو چھیڑ کر تو دیکھ
سوز میں کتنے ساز ہوتے ہیں

○

موسم ہے بہاروں کا۔ اے ماہ جبیں آجا
بن کر مرے خوابوں کی تعبیر حسیں آجا
آجا کسی حالت میں۔ آنے سے تعلق ہے
یا خندہ بہ لب آجا۔ یا چیں بہ جبیں آجا
ہے تجھ کو حیا جس سے۔ وہ عالمِ بیداری
اس وقت نگاہوں میں موجود نہیں آجا
اس وقت نہ آیا تو کس وقت پھر آئے گا
دنیا ہے جواں آجا۔ موسم ہے حسیں آجا
اے دیر و حرم والے۔ اے لطف و کرم والے
یا نقشِ عدم بن جا۔ یا دل کے قریں آجا

○

سننے والا حالِ دل احساس سے بیگانہ تھا
وہ یہ سمجھا ہیں خرابِ لذتِ افسانہ تھا
آہ ! وہ عہدِ جوانی کے مقدّس مشغلے
میکدہ تھا یا طوافِ کوچۂ جانانہ تھا
آہ دل، یہ دل، یہ بے رونق یہ غیر آباد دل
کیسے کیسے مہ جبینوں کا یہاں کاشانہ تھا
عارضوں میں تبکدہ تھا۔ گیسوؤں میں کہکشاں
انکھڑیوں میں چاندنی تھی، ہاتھ میں پیمانہ تھا

شمع کے نزدیک کوئی شے تو تھی کل رات کو
یا کوئی بجلی تھی رقصاں، یا کوئی پروانہ تھا
کیسی کیسی صورتوں کے عکس تھے بکھرے ہوئے
آئینے کو غور سے دیکھا تو حیرت خانہ تھا
عقل کے بارے میں اتنا جانتے ہیں ہم عدمؔ
جس میں تھوڑی سی فراست تھی وہی دیوانہ تھا

○

بڑے جوش پر موسمِ رنگ و بو ہے
مگر گلستاں میں نہ میں ہوں نہ تو ہے

زمانے کی مصروفیت تھم گئی ہے
وہ بیٹھے ہیں اور آئینہ روبرو ہے

فسانہ نہ چھڑ جائے ناگاہ کوئی
تری آنکھ آمادۂ گفتگو ہے

ہمیں بھی چبھو دیجئے کوئی کانٹا
ہمیں بھی کسی پھول کی جستجو ہے

عدمؔ زندگی کے ستم آپ کم ہیں
تجھے اور کس چیز کی آرزو ہے

○

جہاں ہوش ہیں جامِ شراب لایا ہوں
جہاں چراغ نہ تھا آفتاب لایا ہوں
سنا تھا ٹوٹے ہوئے ساز خوب بجتے ہیں
بڑے خلوص سے دل کا رباب لایا ہوں
خلوص گو بڑی ارزاں سی چیز ہے لیکن
جو ہو سکا ہے مجھے دستیاب لایا ہوں
بناوٹوں کے کھلونے نہیں ملے مجھ کو
دلِ تباہ و نگاہِ خراب لایا ہوں
نہ پوچھ کتنے بھٹکتے ہوئے اندھیروں کو
دعائیں دے کے شبِ ماہتاب لایا ہوں
تڑپ اٹھی ہیں عدم حکمتیں دو عالم کی
کہیں سے جب بھی ذرا سی شراب لایا ہوں

○

نہیں اہلِ دیر و حرم جانتے ہیں
مگر ہم بھی کچھ بیش و کم جانتے ہیں

یہ کیا دل لگی ہے کہ اس مہ جبیں کو
نہ تم جانتے ہو نہ ہم جانتے ہیں

ہمارا پتہ ان سے مت پوچھیے گا
کہ وہ ہم غریبوں کو کم جانتے ہیں

ترے راستے کا سفر کرنے والے
تری راہ کے پیچ و خم جانتے ہیں

چلو ان فقیروں سے جا کر ملیں جو
رموزِ وجود و عدم جانتے ہیں

○

گلے لگ لگ کے جب اک دوسرے سے یار ملتے ہیں

نہ پوچھ اس وقت ہم کتنے جگر افگار ملتے ہیں

مسافر جادۂ ہستی کے کتنے پا شکستہ ہیں

کہ جب ملتے ہیں زیرِ سایۂ دیوار ملتے ہیں

طبیعت مطمئن رکھیے بڑی زرخیز ہے دنیا

یہاں اندوہ و غم انبار در انبار ملتے ہیں

اگرچہ قحط ہے جنسِ محبت کا زمانے میں

مگر اس قحط میں بھی اہلِ دل سرکار ملتے ہیں

خردمندوں سے میں اس واسطے پرہیز کرتا ہوں

کہ ان میں اختلالِ ہوش کے آثار ملتے ہیں

عدمؔ اسباب کچھ ہیں تو سہی دل کی تسلی کے

مگر اسباب وہ ہیں جو بہت دشوار ملتے ہیں

○

اگر آغازِ آزادِ غمِ انجام ہو جائے
فسانہ زندگی کا گیسوئے اصنام ہو جائے

مرے محبوب یہ دنیا بڑی دلچسپ دنیا ہے
یہاں آ کر خدا بھی موردِ الزام ہو جائے

مری مستی سے تیری انکھڑیوں کی بات قائم ہے
اگر میں ہوش میں آ جاؤں تو بدنام ہو جائے

تری چشمِ غزالیں میں اگر اک مرتبہ ڈوبے
شریعت رنگ بن جائے مشیت جام ہو جائے

کوئی جام اس طرح چھلکے کہ موسم لہلہا اٹھے
کوئی زلف اس طرح بکھرے کہ گہری شام ہو جائے

عدمؔ جب ہوش میں ہوتا ہوں یوں محسوس کرتا ہوں
وہ رہرو ہوں جسے جنگل میں گہری شام ہو جائے

○

مرے نزدیک مت آ، میں تجھے ناشاد کر دوں گا
بہت مظلوم ہوں کوئی ستم ایجاد کر دوں گا

میں آیا تھا کہ تیرے قرب سے آباد ہو جاؤں
مجھے کیا علم تھا میں تجھ کو بھی برباد کر دوں گا

مجھے خاموش رہنے دے بڑا احسان ہے تیرا
مجھے مت چھیڑ اے بے درد میں فریاد کر دوں گا

تمہیں اس کی ضرورت ہے تو اسکو چھین لو مجھ سے
وگرنہ میں جوانی کو یونہی برباد کر دوں گا

عدمؔ تھوڑی سی غفلت اور اگر صیاد نے برتی
قفس کو توڑ دوں گا روح کو آزاد کر دوں گا

○

دردِ دل اب تو عام ہوتا ہے
رات دن صبح و شام ہوتا ہے

میکدے کا معاملہ مت پوچھ
آہ کیا انتظام ہوتا ہے

جن کی قسمت میں پیچ ہوں ان کو
تیری زلفوں سے کام ہوتا ہے

اس کے ہاتھوں میں کیا نہیں ہوتا
جس کے ہاتھوں میں جام ہوتا ہے

اس کی آنکھوں کا تذکرہ مت کر
خون صہبا و جام ہوتا ہے

کیا ادا ہے عدمؔ مروت کی
انکھڑیوں سے سلام ہوتا ہے

○

عذر کیا خوشگوار ہوتے ہیں جرم بے اختیار ہوتے ہیں

ہم کو یوں بھی تباہ ہونا تھا آپ کیوں شرمسار ہوتے ہیں

ہم غریبوں کے جرمِ ہستی پہ تبصرے بار بار ہوتے ہیں

ان سے ملنا اگر مقدر ہو راستے بے شمار ہوتے ہیں

جب بھی ہوتے ہیں ہم عدمؔ تنہا

یار سے ہمکنار ہوتے ہیں

○

خدا کو سجدہ نہ کر، گل رخوں کو پیار نہ کر
مسافرت میں محبت کے کاروبار نہ کر

تری نگاہ کو ہمراہ لے کے اے ساقی
میں جا رہا ہوں کہیں میرا انتظار نہ کر

سوال کر کے میں خود ہی بہت پشیماں ہوں
جواب دے کے مجھے اور شرمسار نہ کر

ہے اعتبار تو کر لے موافقت ہم سے
اور اعتبار نہیں ہے تو اعتبار نہ کر

ابھی بہار کے عنوان پھیکے پھیکے ہیں
ابھی ہمارے گریباں کو تار تار نہ کر

عدمؔ کی تشنہ لبی کو کچھ اور ہے مطلوب
شراب دے مگر اندازۂ خمار نہ کر

○

تفکراتِ زمانہ! اسلام ہے میرا
بس اس مقام سے آگے مقام ہے میرا

نہیں ہے گردشِ دوراں سے کوئی شئے محفوظ
جو اس کی زد میں نہیں ہے وہ جام ہے میرا

مری وفاؤں کی قیمت مجھے وصول ہوئی
تری جفاؤں کو کچھ احترام ہے میرا

سفینہ راں ہے کنارے پہ کیوں نظر تیری
ستم ظریف! تلاطم مقام ہے میرا

وہ چیز جس سے عدم میکدہ عبارت ہے
وہ چشمِ یار ہے یا دورِ جام ہے میرا

○

جو پھول بن نہیں سکتے وہ خار ہوتے ہیں
جفائے یار کے سانچے ہزار ہوتے ہیں

تعلقات کے رشتے کو توڑنے والے
تعلقات بڑے استوار ہوتے ہیں

حضور آپ کو بھی اس کا تجربہ ہے کوئی
سنا ہے لوگ تغافل شعار ہوتے ہیں

اسیرِ زلفِ مسلسل نہ کر ہمیں اے دوست
کہ زندگی میں بڑے کاروبار ہوتے ہیں

عدمؔ خلوص سے مل میکدہ نشینوں سے
یہ وہ فقیر ہیں جو شہریار ہوتے ہیں

○

اگرچہ روزِ ازل بھی یہی اندھیرا تھا
تری جبیں سے نکلتا ہوا سویرا تھا

پہنچ سکا نہ میں بروقت اپنی منزل پر
کہ راستے میں مجھے رہبروں نے گھیرا تھا

تری نگاہ نے تھوڑی سی روشنی کر دی
وگرنہ عرصۂ کونین میں اندھیرا تھا

یہ کائنات اور اتنی شراب آلودہ
کسی نے اپنا خمارِ نظر بکھیرا تھا

تارے گھومتے ہیں اب اس گلی کے گرد طواف
جہاں عدمؔ مرے محبوب کا بسیرا تھا

○

بلا سے ہم کو نہ دنیا ملے نہ دین ملے!
سحر کے وقت مگر روز اک حسین ملے

لدا ہوا تھا بہار دل سے زیست کا رستہ
جہاں قیام کیا بتکدے مکین ملے

پلٹ کے دیر حرم سے جو عافیت چاہی
تو عافیت کے ٹھکانے بڑے حسین ملے

بہت وسیع ہے دنیا مگر یہ آس نہ رکھ
کہ قبر کے لیے دو گز کہیں زمین ملے

سنا تھا شور بہت سلسبیل و کوثر کا
گئے قریب تو دو داغ آستین ملے

سوال چند کیے تھے عدمؔ قیامت میں
جواب داورِ محشر سے بہترین ملے

تری نگاہ کو بیمار کس نے دیکھا ہے
خرامِ مستیٔ بیدار کس نے دیکھا ہے

وجودِ سایۂ دیوار ہے تڑپ میری
وجود سایۂ دیوار کس نے دیکھا ہے

ہمارے ہوتے ہوئے آپ کو لگاوٹ سی
ہمیں بتایئے سرکار کس نے دیکھا ہے

جہاں دلوں سے زیادہ عزیز ہو دولت
وہاں خلوصِ خریدار کس نے دیکھا ہے

روا ہے تہمتِ مستی مگر عدم ہم کو
پیے ہوئے سرِ بازار کس نے دیکھا ہے

O

عشق سے اجتناب کرنا تھا سوچ کر انتخاب کرنا تھا

اے ریاکار زندگی ہم کو تو نے اتنا خراب کرنا تھا

اے ہمیں رنج بخشنے والے ان کا بھی کچھ حساب کرنا تھا

مہ جبینوں سے دوستی کر کے آبرو کو خراب کرنا تھا

صبح محشر ہی جاگ اٹھتے ہو عدمؔ
دو گھڑی اور خواب کرنا تھا

○

رنگ کا اکتساب لے آؤ — چاندنی کا شباب لے آؤ

موت کی خامشی مسلط ہے — زندگی کا رباب لے آؤ

غنچہ و گل کی نبض ڈوبی ہے — شبنم و آفتاب لے آؤ

بحرِ ظلمات سے گزرنا ہے — کشتیٔ ماہتاب لے آؤ

جا کے پیرانِ میکدہ سے عدمؔ

نو کشیدہ شراب لے آؤ

○

تم زہرہ جبیں ہو تمہیں معلوم تو ہوگا
اور کتنے حسیں ہو تمہیں معلوم تو ہوگا

کیوں تکتے ہیں مشتاق نگاہوں سے تمہیں ہم
ناداں نہیں ہو تمہیں معلوم تو ہوگا

ہم اور سرِ بزم تمہیں غور سے دیکھیں
کیوں چیں بہ جبیں ہو تمہیں معلوم تو ہوگا

بیگانۂ کونین ہے کیوں شام و سحر دل
تم دل میں مکیں ہو تمہیں معلوم تو ہوگا

کیوں اتنی عقیدت ہے حسینوں سے عدمؔ کو
تم خود بھی حسیں ہو تمہیں معلوم تو ہوگا

○

گُل کھلیں ۔ بادِ نو بہار چلے
لے کے انگڑائی جوئبار چلے

ناچتی انکھڑیوں کی ناوؤں پہ
نکہتِ زلفِ مشکبار چلے

یوں چلیں لڑکھڑا کے زہرہ جبیں
جس طرح ابر کوہسار چلے

یوں کھلیں مسکراہٹوں کے کنول
جیسے چاندی کی جوئبار چلے

ایسے رقصاں ہو بوئے عنبر و عود
جیسے دوشیزۂ بہار چلے

یوں خرام آفریں ہو رنگ کی لہر
جس طرح کوئی میگسار چلے

عطر آلود گیسوؤں کی ہوا
صورتِ موجِ آبشار چلے

یوں ہم آغوشیوں کے دریا میں
کشتیِ یارِ شہریار چلے

ہو فضا میں بلند یہ فریاد
چھوڑ دو پیراہن کے تار چلے

فصلِ گُل میں تو اے عدمؔ کوئی
عنبریں جوت ہمکنار چلے

○

جو بھی کرنا ہے آب و تاب سے کر
مشورہ ماہ و آفتاب سے کر

گفتگو کا حساب ہوتا ہے
ناصحا! گفتگو حساب سے کر

انتہا کی خبر نہیں معلوم
ابتدا ساغرِ شراب سے کر

دیر و کعبہ پہ برق گرتی ہے
بات مت گوشۂ نقاب سے کر

دل کی تکلیف کا علاج عدمؔ
نغمہ و نکہت و شراب سے کر

○

اک داستاں ہیں محفلِ ہستی بکھر گئی
کیا مختصر سی رات تھی کیسے گزر گئی

مت پوچھ اضطرابِ جدائی کا ماجرا
برسات کی ندی تھی کہ چڑھ کر اتر گئی

بادل گھرے کہ روح میں ٹھنڈک سی آ گئی
ساغر اٹھا کہ گردشِ شام و سحر گئی

ساقی یہ پُر فریب تبسم تو ہیں ادھر
ساقی وہ پُر خلوص مسرت کدھر گئی

عمرِ رواں تلاشِ مسرت میں اے عدم
ایسے گئی کہ آپ بھی کم بخت مر گئی

○

ہر رنج کو خفیف تبسم سے ٹال دے
نازل ہو کوئی برق تو ساغر اچھال دے

اس کی جفا کو جورِ ازل تک تو کر طویل
میری وفا کی کوئی مکمل مثال دے

صہبا کو آج جام میں مت ڈال ہمنشیں
اس کو براہِ راست مرے دل میں ڈھال دے

کتنی گریز پا ہیں مسرت کی ساعتیں
اے دوست ان کے پاؤں میں زنجیر ڈال دے

ساقی تجھے سعادتِ دارین ہو نصیب
روحِ عدم سے عقل کا کانٹا نکال دے

○

کیوں رنگ اڑ رہا ہے دلِ بے قرار کا

شاید یہ رہنے والا نہیں اس دیار کا

کھلنے لگا تھا پھول کہ مرجھا کے گر گیا

کیا تنگ حوصلہ تھا ہوائے بہار کا

لو جا رہا ہوں قیدِ عناصر کو توڑ کر

پہلا ثبوت ہے یہ مرے اختیار کا

پیتا ہوں حادثات کے عرفان کے لیے

مے ایک تجزیہ ہے غمِ روزگار کا

ساقی حدیثِ کوثر و تسنیم سب غلط

ساغر چھلک گیا تھا کسی مے گسار کا

دھوکا دیا ہے تم نے عدم کے خلوص کو

یہ راستہ نہیں ہے تمہارے دیار کا

•

○

ہنس ہنس کے جام جام کو چھلکا کے پی گیا
وہ خود پلا رہے تھے میں لہرا کے پی گیا

توبہ کے ٹوٹنے کا بھی کچھ کچھ ملال تھا
تھم تھم کے سوچ سوچ کے، شرما کے پی گیا

ساغر بدست بیٹھی رہی میری آرزو
ساقی شفق سے جام کو ٹکرا کے پی گیا

مے سی حسیں چیز ہو اور واقعی حرام
میں کثرتِ شکوک سے گھبرا کے پی گیا

وہ دشمنوں کی طنز کو ٹھکرا کے پی گئے
میں دوستوں کے غیظ کو بھڑکا کے پی گیا

صد ہا مطالبات کے بعد ایک جام تلخ
دنیائے جبر و صبر کو دھڑکا کے پی گیا

سو بار لغزشوں کی قسم کھا کے چھوڑ دی
سو بار چھوڑنے کی قسم کھا کے پی گیا

پیتا کہاں تھا صبح ازل میں بھلا عدمؔ
ساقی کے اعتبار پہ لہرا کے پی گیا

○

عالم تمام عالمِ نقش و نگار تھا
جب تک نظر میں رنگ تھا عہدِ بہار تھا

دی جس نے اہلِ ہوش کو ترغیبِ میکشی
میرا خیال ہے کہ غمِ روزگار تھا

دشنام دیجئے نہ غمِ روزگار کو
گو خُو ذرا بری تھی مگر میرا یار تھا

ہم نے پناہ لی تیری زلفوں کی چھاؤں میں
ماحول زندگی کا بہت شعلہ بار تھا

یارب مرے ہی فردِ عمل کا نہیں یہ رنگ
اس گیسوئے سیاہ سے دنیا کو پیار تھا

مت پوچھ اے عدمؔ کہ کٹی کس طرح حیات
حالات کا سلوک بہت خوشگوار تھا

○

رنگ خوب کھُل گیا | سب غبار دھُل گیا
میکدہ اداس ہے | میکشوں کا غل گیا
گلستاں خموش ہے | دورِ جامِ دُل گیا
یوں گیا وہ مہ جبیں | جیسے عہدِ گل گیا
دل میں درد آ بسا | مے میں زہر گھُل گیا

شب بخیر اے عدمؔ
میکدہ تو کھُل گیا

○

دامن و جیب تار تار نہیں — ننگ ہے موسم بہار نہیں

کتنی مجبوریاں ہیں دنیا میں — اپنے دل پر بھی اختیار نہیں

میرے ہمدم مرے قریب نہ آ — میرا ماحول خوشگوار نہیں

آپ کی خوب صورتی کی قسم — آپ کا کوئی اعتبار نہیں

بجھ چکی ہے ہر اک امید عدمؔ

اب طبیعت پہ کوئی بار نہیں

○

راہزن راہ نما گام بہ گام آئیں گے
راہِ ہستی میں بڑے سخت مقام آئیں گے

چند قطروں سے فقیروں کی نہ دعوت کیجئے
رہنے دیجئے یہ کسی اور کے کام آئیں گے

آپ جھکی ہوئی زلفوں کو بکھیریں تو سہی
جوق در جوق مسافر تہِ دام آئیں گے

جیب و دامن کی تلافی کا جب آیا موسم
خود بخود عہدِ بہاراں کے سلام آئیں گے

ہم فقیرانِ محبت جہاں جائیں گے عدمؔ
خیر مقدم کے لیے بادہ و جام آئیں گے

○

کیوں تری آنکھ میں سرخی سی اتر آئی ہے
میں نے کس وقت ترے سر کی قسم کھائی ہے

کیا خبر تھی کہ محبت سی مقدس شے بھی
میری بدنامی ہے اور آپ کی رسوائی ہے

دل کی بستی میں اندھیرا سا ہوا جاتا تھا
شکر ہے آپ کی صورت تو نظر آئی ہے

ہوشمندوں کی پریشان خیالی پہ نہ جا
یہ تو ہر شخص کو کہہ دیتے ہیں سودائی ہے

زندگی کو ذرا رنگین بنانے کے لیے
میں نے اکثر تیری آنکھوں کی قسم کھائی ہے

دل ہو ویران تو محسوس یہ ہوتا ہے عدمؔ
چاندنی رات بھی اک گریۂ تنہائی ہے

○

چاندنی رات ستاروں پہ سوار آئی ہے
جھوم کر میکدہ بردوش بہار آئی ہے

زندگی میری نہ معلوم خوشی کے اوقات
کس سمن پوش کے کوچے میں گزار آئی ہے

یوں ڈبو کر ہمیں لوٹی ہے مسرت سے حیات
کوئی سمجھے کہ کنارے پہ اتار آئی ہے

آج یوں گھر میں نظر آتی ہے رونق مجھ کو
جیسے اجڑے ہوئے گلشن میں بہار آئی ہے

غم کی افکار میں ڈوبی ہوئی راتوں میں عدم
نیند بھی صورتِ الزام قرار آئی ہے

○

وہ حسیں میرے مقدر کا سہارا نہ ہوا
وہ ستارا مری قسمت کا ستارا نہ ہوا
آج اُس راحتِ جاں سے نہ ملاقات ہوئی
آج سینے کی طپش کا کوئی چارا نہ ہوا
ان کا شکوہ ہی بھلا کیا کہ وہ اپنے تو نہ تھے
دل کا رونا ہے کہ دل ہو کے ہمارا نہ ہوا
ہم نے چاہا تھا کہ ہم ترکِ تمنا کر لیں
لیکن افسوس بغیر اس کے گذارا نہ ہوا
ناخدا کا تو عدمؔ حال پریشاں تھا بہت
غیب سے بھی کوئی بر وقت اشارا نہ ہوا

○

کسی مہ جبیں سے تعارف کرادو کسی میکدے سے صبوحی پلادو

اگر روتے روتے بہت تھک گئے ہو تو اے رونے والو ذرا مسکرادو

زمانہ بہت بدگماں ہو چکا ہے حجاباتِ دیر و حرم کو اٹھادو

کہاں جائے گی عشرتِ عمرِ رفتہ ذرا لڑکھڑاتی ہوئی اک صدا دو

خدا بھی عدمؔ حادثہ بن گیا ہے

اسے بھی بڑی عاجزی سے بھلادو

○

غمِ زمانہ کو غرقِ شراب کر دوں گا
شبِ سیہ کو شبِ ماہتاب کر دوں گا

گماں نہ کر کہ مجھے جراتِ سوال نہیں
فقط یہ ڈر ہے تجھے لاجواب کر دوں گا

میں بد نصیب ہوں مجھ کو نہ دو خوشی اتنی
کہ میں خوشی کو بھی لے کر خراب کر دوں گا

مرے لیے تو خرابات ٹھیک ہے اے ہوش
تجھے بھی کوئی جگہ انتخاب کر دوں گا

دماغِ بادہ کشی تو نہیں عدمؔ لیکن
کچھ احترامِ شبِ ماہتاب کر دوں گا

○

ترے شباب کو او گل عذار دیکھا ہے؛

لباسِ نشہ میں خوابِ بہار دیکھا ہے

ترے نفس سے بھی چٹکا نہیں کوئی غنچہ

یہ حادثہ بھی نسیمِ بہار دیکھا ہے؛

تری حسین پریشانیوں کی عمر دراز

ہمارا حال بھی اے زلفِ یار دیکھا ہے؛

کسی حسین کی آنکھوں کو اپنا ہوش نہ تھا

عجیب رقص سرِ رہگذار دیکھا ہے

مری نظر کا مجھے کوئی اعتبار نہیں

تری نظر سے تجھے بار بار دیکھا ہے

ہوئی ہے جب بھی عدمؔ ان کو دیکھنے کی ہوس

بڑے خلوص سے بے اختیار دیکھا ہے

○

مزاج دل کا خلل آفریں ہے جینے میں
میں ناخدا سے بہت تنگ ہوں سفینے میں

گری تھی بوند کہ میدانِ حشر جل اٹھا
یہ کس کے دل کی تپش تھی ترے پسینے میں

جنوں کو سایۂ گیسو میں چین لینے دے
بس ایک بار کسی آتشیں مہینے میں

کمال ہے کہ بڑی سادگی سے دل کی جگہ
کسی حسیں نے شرر رکھ دیا ہے سینے میں

ہم آفتاب پرستوں کو فصلِ گل میں عدمؔ
پلا شراب ستاروں کے آبگینے میں

○

کبھی کشادہ دلی سے جو یار ملتا ہے
نظر کو چین، جگر کو قرار ملتا ہے
کہیں تو کیسے کہیں اس سے ماجرا دل کا
ملے بھی وہ تو سرِ رہگذار ملتا ہے
غمِ زمانہ کے بارے میں پوچھتے ہیں آپ
بڑے تپاک سے لیل و نہار ملتا ہے
تصورات کے اجڑے ہوئے گلستاں میں
کہیں کہیں تو نشانِ بہار ملتا ہے
عدمؔ کمی نہیں دنیا میں نعمتِ غم کی
ہمارا رزق ہمیں بے شمار ملتا ہے

○

ہم بھلا کس کو یاد آئیں گے — لوگ تم کو بھی بھول جائیں گے

ایک بار آزما لیا تم کو — ایک بار اور آزمائیں گے

راستے میں نہ دیکھنا ہم کو — دیکھنے والے مسکرائیں گے

ناخدا کس لیے پریشاں ہے — بس یہی نا کہ ڈوب جائیں گے

پھر چلے ہو وہاں خادم صاحب
تم تو کہتے تھے اب نہ جائیں گے

ساز آتے ہیں جام آتے ہیں — کیسے کیسے مقام آتے ہیں

تم نہ آئے تو کوئی بات نہیں — لوگ لوگوں کے کام آتے ہیں

زندگی کے حسین رستے میں — سبز و شاداب دام آتے ہیں

پھر وہی اضطراب ہے دل کو — پھر وہی صبح و شام آتے ہیں

اے عدم کس ادا سے گردش میں
ساغرِ لالہ فام آتے ہیں

○

رات کو جب وہ موسمِ گل میں زلفوں کو لہراتے ہیں
بادِ بہاری جھوم اٹھتی ہے چاند ستارے گاتے ہیں

جب کوئی نیکی جاگ رہی ہو رحمت جھوم کے اٹھتی ہے
جب کوئی توبہ ٹوٹ رہی ہو میخانے تھراتے ہیں

تم پھولوں کی نکہت پی کر نبض کو جاری رکھتے ہو
ہم کانٹے کی نوک چبھو کر دل کو رو میں لاتے ہیں

اے مخمور نگاہوں والے تیرا کوئی دوش نہیں ہے
لوگ بڑے ہشیار ہیں اکثر دیوانے ہو جاتے ہیں

دو چیزیں افراط سے ہم کو بخشی ہیں فطرت نے عدمؔ
ہوش سنبھالا ہے جب سے مے پیتے ہیں غم کھاتے ہیں

○

بھولی بسری باتوں سے کیا تشکیل رودادکریں
ہم کو تو کچھ یاد نہیں ہے آپ ہی کچھ ارشاد کریں
کیسی محبت کیسی چاہت ہم پر سب کچھ روشن تھا
یونہی ذرا یہ شوق ہوا تھا، آؤ دل برباد کریں
عشق نے سونپا ہے کام اپنا اب تو نبھانا ہی ہوگا
میں بھی کچھ کوشش کرتا ہوں آپ بھی کچھ امداد کریں
جیب و گریباں سوئے سوئے باغ و گلستاں سوئے سے
بیٹھا ہے بیکار جنوں اے سرکار کوئی ارشاد کریں
چھوڑ بھی اے دل جانے بھی دے ہم کو جب وہ بھول گئے
ہم کیوں ٹھنڈی آہیں بھر کر ہر دم ان کو یاد کریں
حسن کی دولت رکھنے والے کتنے بے پروا ہیں عدمؔ
ناز سے فرماتے ہیں ہنس کر کس کس کو برباد کریں

○

نہیں لطف ساقی کسی بات میں　　مجھے غرق کر دے خرابات میں

ہر اک بات کا فیصلہ ہو گیا　　محبت کی پہلی ملاقات میں

ابھی تک خرابات گردش میں ہے　　وہ دھومیں مچائی ہیں برسات میں

جوانی تھی یا مے پرستی کا دور　　بڑے میکدے تھے خیالات میں

عدمؔ اتفاق اور اتنا حسیں!

ملاقات اور چاندنی رات میں

○

فضا لہلہائی گھٹا چھا گئی — تری آنکھ اٹھی اور بہار آ گئی

کہا تھا محبت نے کچھ زیرِ لب — جنوں ہنس پڑا موت شرما گئی

بڑی دلکشی تھی ہر اک چیز میں — نہ معلوم کس کی نظر کھا گئی

ہوئی یوں پریشاں وہ زلفِ دراز — کہ حدِ نظر تک گھٹا چھا گئی

عدمؔ وہ چھلکتی ہوئی سی نظر
مرے ظرفِ ہستی کو چھلکا گئی

○

غمہائے روزگار میں وہ دلکشی رہی
دنیا کی ہر خوشی سے ہمیں دشمنی رہی

صرف اک قدم اٹھا تھا غلط راہِ شوق میں
منزل تمام عمر مجھے ڈھونڈتی رہی

ظلمت کا دائرہ جسے کہتے ہیں زندگی
دو چار دن تو اس میں بڑی روشنی رہی

طوفاں بڑے غرور سے چنگھاڑتا رہا
کشتی بڑے خلوص سے ضد پر اڑی رہی

مت پوچھ ان طویل شبوں کا معاملہ
اس گیسوئے دراز سے جب دوستی رہی

شاید مرے خلوص میں کچھ نقص تھا عدم
ان کو مرے خلوص سے کچھ بدظنی رہی

○

مے دل نشین ہے جام بڑا خوشگوار ہے
ساقی کا انتظام بڑا خوشگوار ہے

کہتے ہیں ایک چیز بڑی دل فریب ہے
سنتے ہیں ایک کام بڑا خوشگوار ہے

زلفِ دراز کو نہ خدا کے لیے سمیٹ!
اے مہ جبیں یہ دام بڑا خوشگوار ہے

چل اے نسیمِ صبح ذرا تو بھی دیکھ لے
اُس شوخ کا خرام بڑا خوشگوار ہے

کرتے ہیں انکھڑیوں سے جو شوق اے عدم
وہ سرمدی کلام بڑا خوشگوار ہے

○

لیتا ہوں اُس کا نام کہ دل کو سکوں نہیں
پیتا ہوں صبح و شام کہ دل کو سکوں نہیں

جی چاہتا ہے گیسوئے جاناں کو دیکھ کر
کر لوں یہیں قیام کہ دل کو سکوں نہیں

اے مہ جبیں یہ تلخ کلامی نہیں درست
کر خلق سے کلام کہ دل کو سکوں نہیں

پھر آج بار بار نگاہِ خراب حال
جاتی ہے سوئے بام کہ دل کو سکوں نہیں

دل کو سکون ہو تو عدم ترکِ مے کروں
ہے ترکِ مے حرام کہ دل کو سکوں نہیں

○

گرم راتوں کو خوشگوار کریں　　عنبریں گیسوؤں سے پیار کریں
لوگ دنیا سے بدگماں کیوں ہیں　　آؤ دنیا کا اعتبار کریں
ایک انگڑائی وہ بھی ٹھنڈی سی　　آپ اندازۂ بہار کریں
عقل اب معترض نہیں ہوگی　　آؤ نادانیوں سے پیار کریں
موسمِ گل میں یہ تکلف کیا　　آؤ دامن کو تار تار کریں

آج دل کچھ اداس سا ہے قدمؔ
آج تالیفِ زلفِ یار کریں

○

حسن کی سرگرانیاں ، افسوس　　عشق کی ناتوانیاں ، افسوس

زندگی سے بھی مختصر نکلیں　　آپ کی مہربانیاں ، افسوس

ایک چھوٹی سی آزمائش میں　　کٹ گئیں زندگانیاں ، افسوس

اپنے دیرینہ آشناؤں سے　　اس قدر بدگمانیاں ، افسوس

دکھتی دکھتی محبتیں صد حیف　　جلتی جلتی جوانیاں ، افسوس

کتنی ویران ہیں عدم آنکھیں
آنسوؤں کی روانیاں افسوس

○

رباب و چنگ نہیں مطرب و شراب نہیں
کوئی بہانۂ تسکینِ اضطراب نہیں

غمِ حیات کا مفہوم پوچھنے والے
یہ وہ سوال ہے جس کا کوئی جواب نہیں

نہ زہر دو ابھی ہم بیکسوں کو چارہ گرد
ہمارا حال ابھی اس قدر خراب نہیں

اب اس کے بعد بھی ہے حشر کی کوئی صورت
ہمیں حجاب ہے لیکن تمہیں حجاب نہیں

ہے وقت خفتہ بہاروں کے جاگنے کا عدم
وہ محوِ خواب ہیں لیکن وہ محوِ خواب نہیں

○

حیات نام ہے جس کا شرار ہے ساقی
علاج اس کا مئے خوشگوار ہے ساقی

نہ دیکھ میرے گریباں کی سمت حیرت سے
تری قبا بھی یونہی تار تار ہے ساقی

دلوں کو دام میں لانا ہی شہریاری ہے
خلوص سب سے بڑا اقتدار ہے ساقی

غمِ زمانہ کو کیا اور شرمسار کروں
غمِ زمانہ بہت شرمسار ہے ساقی

چل آ کہ بادہ پئیں اور چمن میں رقص کریں
فضا جواں ہے! ہوا مشکبار ہے ساقی
نظام عالم کہنہ کو منتشر کر دے
مری طرف سے تجھے اختیار ہے ساقی
عدم بھی ایک تجلی ہے اس خمستاں کی
جہاں گدا کی صفت شہریار ہے ساقی

○

ستم دستور ہوتے جا رہے ہیں

وہ ہم سے دور ہوتے جا رہے ہیں

نقاب الٹی ہے کس زہرہ جبیں نے

اندھیرے نور ہوتے جا رہے ہیں

دلوں کو پھول بننے کی ہوس تھی

مگر ناسور ہوتے جا رہے ہیں

نہ جانے کیا خطا سرزد ہوئی ہے

خدا مغرور ہوتے جا رہے ہیں

خلوص اتنا فراواں ہو گیا ہے

اثر کافور ہوتے جا رہے ہیں

عدمؔ ان انکھڑیوں کا ذکر سن کر

پیالے چور ہوتے جا رہے ہیں

○

ترا مقامِ ملاقات بھول جاؤں گا

میں راستے کے نشانات بھول جاؤنگا

شکایتیں ہیں بہت سی کہ وہ نہیں موجود

وہ آگئے تو شکایات بھول جاؤں گا

بس اک حقیقتِ بے رحم کی ضرورت ہے

تمام رسم و روایات بھول جاؤں گا

حضور بات بڑی مختصر ہے سُن لیجیے

مجھے یہ ڈر ہے کہ میں بات بھول جاؤنگا

جو بھولتی ہی نہیں اے عدمؔ بھلانے سے

وہ چار دن کی ملاقات بھول جاؤں گا

○

رات اس زلفِ پریشاں میں کوئی پھول نہ تھا

حادثہ ہے کہ گلستاں میں کوئی پھول نہ تھا

مَیں نے دیکھی ہے بگولوں میں جوانی ان کی

لوگ کہتے ہیں بیاباں میں کوئی پھول نہ تھا

آپ جب صبحِ ازل مجھ کو ملے تھے ہنس کر

کیا مرے چاکِ گریباں میں کوئی پھول نہ تھا

میں نے پوچھا تھا کھلیں گے یہاں کب تک غنچے

میں نے دیکھا تو گلستان میں کوئی پھول نہ تھا

اس کی آنکھوں نے عدمؔ رکھ لیا پردہ ورنہ

دامنِ فصلِ بہاراں میں کوئی پھول نہ تھا

○

ہر صورتِ حسیں پہ گمانِ طبیب ہے
ساقی مرے مرض کی طبیعت عجیب ہے

رہتا ہے سلسبیل کے دامن میں تشنہ لب
کہتے ہیں جس کو شیخ بڑا بد نصیب ہے

مستی شراب میں بھی ہے اے مہ جبیں ضرور
لیکن تری نگاہ کی مستی عجیب ہے

یارب نہ ڈال شیخ کو دوزخ کی آگ میں
یہ آدمی ہمارا پرانا رقیب ہے

دل ہے کہ درد اس کی نہیں کچھ خبر عدمؔ
اک دردِ مستقل ہے کہ دل کے قریب ہے

○

جام موجود ہے شراب نہیں صورتِ حال کا جواب نہیں

زہر دیجئے کسی سلیقے سے مجھ کو پینے سے اجتناب نہیں

اے مرا حال پوچھنے والے حالِ دل اس قدر خراب نہیں

عشق جولانیٔ طبیعت ہے عشق نادانیٔ شباب نہیں

زندگی حادثہ سہی لیکن حادثہ میرا انتخاب نہیں

آپ بھی خوب ہیں عدم صاحب
آپ کا بھی کوئی جواب نہیں

○

آپ جب باغ سے رواں ہوں گے پھول ہوں گے نہ گلستاں ہوں گے

آپ آتے نہیں غنیمت ہے آپ آئے تو ہم کہاں ہوں گے

ذکرِ محشر مبالغہ تو نہیں؟ واقعی آپ بھی وہاں ہوں گے

آپ کی زلف خود پریشاں ہے آپ کیا ہم پہ مہرباں ہوں گے

خلد جن سے عدم عبارت ہے

ایک دو جامِ ارغواں ہوں گے

○

اودی اودی گھٹائیں آتی ہیں   میکشوں کی دعائیں آتی ہیں
جب بھی لیتا ہے کوئی انگڑائی   مطربوں کی صدائیں آتی ہیں
آؤ صحنِ چمن میں رقص کریں   ساز لے کر گھٹائیں آتی ہیں
موت کا کون غم کرے جب تک   زندگی کی ہوائیں آتی ہیں

دیکھ کر ان کی انکھڑیوں کو عدمؔ
میکدوں کو حیائیں آتی ہیں

○

سنا تھا لوگ بڑے دلنواز ہوتے ہیں
مگر نصیب کہاں کارساز ہوتے ہیں

سنا ہے پیرِ مغاں سے یہ بارہا میں نے
چھلک پڑیں تو پیالے بھی ساز ہوتے ہیں

کسی کی زلف سے وابستگی نہیں اچھی
یہ سلسلے دلِ ناداں دراز ہوتے ہیں

وہ آئینے کے مقابل ہوں جب خدا بن کر
ادا و ناز سراپا نماز ہوتے ہیں

عدم خلوص کے بندوں میں ایک خامی ہے
ستم ظریف بڑے جلد باز ہوتے ہیں

کسی کی زلف پریشاں ہے کوئی بات تو ہے
بہار سوچ میں غلطاں ہے کوئی بات تو ہے

ہجومِ گردشِ دوراں کبھی نہ دیکھا تھا
ہجومِ گردشِ دوراں ہے کوئی بات تو ہے

نکھر رہی ہے بہاروں کی دلکشی پھر بھی
گلوں کا رنگ گریزاں ہے کوئی بات تو ہے

اگرچہ رات ہے بے کیف و مضمحل پھر بھی
سکوتِ ماہ غزل خواں ہے کوئی بات تو ہے

پھر آج شام سے افسردہ خاطری کی گرہ
حریف کاکلِ پیچاں ہے کوئی بات تو ہے
ابھی تو چاند افق سے نہیں طلوع ہوا
ابھی سے رات فروزاں ہے کوئی بات تو ہے
خلافِ وضع عدمؔ آج پھر سرا ہے
رہینِ منتِ درباں ہے کوئی بات تو ہے

○

خرد کے دام میں جو آ گئے ہیں

وہ دانش مند دھوکا کھا گئے ہیں

ابھی تو فصلِ گل کی ابتدا تھی

نہ جانے پھول کیوں مرجھا گئے ہیں

کچھ ایسے آپ نے پھیری ہیں آنکھیں

زمانے کے ستم شرما گئے ہیں

تری آنکھوں کی فرمائش پہ انساں

فریبِ زندگی بھی کھا گئے ہیں

عدمؔ سے زندگی روٹھی ہوئی تھی

خدا کا شکر ہے آپ آ گئے ہیں

○

منتیں کیا کیا نہ ان کی کر چلے
آخرش کہنا پڑا ہم مر چلے

آ گئے تھے بے ارادہ اس طرف
ساقیا! آنکھوں کو ٹھنڈا کر چلے

نبض اب چلتی ہے اس انداز سے
جس طرح اک خوشنما خنجر چلے

رات بھر ساغر چلے تو ہرج کیا
ہرج کیا ہے رات بھر ساغر چلے

زندگی کے ساتھ آئے تھے عدمؔ
زندگی پر ایک تہمت دھر چلے

○

جس سمت بھی وہ فتنۂ رفتار جائے گا
آنچل کے ساتھ سایۂ گلزار جائے گا

محشر میں بھی ہماری تلافی کے واسطے
اس کی گلی کا سایۂ دیوار جائے گا

اے دوست دردِ عشق ہو یا دردِ زندگی
دل میں جو بس چکا ہے وہ دشوار جائے گا

یہ ابرِ نوبہار۔ یہ فصلِ ہجومِ گل
دامن چھڑا کے ہم سے کہاں یار جائے گا

اے کاش فصلِ گل میں نہ نکلے وہ سیر کو
نکلا تو عاشقوں کو عدم مار جائے گا

○

ہر چند بدظنی سی ہے کچھ تیرے نام سے
لیتا ہوں تیرا نام بڑے احترام سے

ساقی تیرے خلوص نے گرویدہ کر لیا
آیا تھا ورنہ میں بھی ادھر ایک کام سے

گذرے گی زندگی کی سیہ رات کس طرح
دل کا چراغ گل ہوا جاتا ہے شام سے

فرصت نہ مل سکی ہمیں آلامِ زیست سے
ورنہ بلا رہا تھا کوئی ہر مقام سے

جو لمحہ میکدے کی ہوا میں کٹے عدمؔ
وہ لمحہ قیمتی ہے حیاتِ دوام سے

○

نزدیک ہیں کہ دور ہیں پہچان لیجیے

ہم آپ کے حضور ہیں پہچان لیجیے

ہم کو بھی گو یقین نہیں اپنے وجود کا

موجود ہم ضرور ہیں پہچان لیجیے

پہچان بندگانِ وفا کی نہیں محال

صدموں سے چُور چُور ہیں پہچان لیجیے

ہر باغ کی بہار ہیں لے آئیے سراغ

ہر آئینے کا نور ہیں پہچان لیجیے

تھوڑا سا اور کیفِ نظر حضرتِ عدمؔ

وہ شاملِ سرور ہیں پہچان لیجیے

○

چھیڑی ہے جب بھی ہم نے ترے پیرہن کی بات
سکتے میں پڑ گئی ہے نسیم چمن کی بات

ثابت رہے گا کس کا گریباں بہار میں
گلشن میں اڑ چلی ہے کسی گلبدن کی بات!

غربت کی شام اور ستاروں کی خامشی
اے ہم سفر سنا کوئی صبح وطن کی بات

محشر کا مرحلہ تو بہت دور ہے ابھی
کیوں لوگ کر رہے ہیں تری انجمن کی بات

فرصت ملے تو کنج خرابات میں عدمؔ
جی کھول کر کریں کسی غنچہ دہن کی بات

○

صراحی میں گلرنگ پانی نہیں ہے
تلاطم نہیں ہے روانی نہیں ہے

نصیحت بڑی قیمتی شے ہے ناصح
مگر یہ علاج جوانی نہیں ہے

دلِ مضطرب عہدِ گل میں نہ مرنا
ہمیں فرصتِ نوحہ خوانی نہیں ہے

خرابات کے خوش کی لہر ہے یہ
کسی عام چشمے کا پانی نہیں ہے

زمانے کی رعنائیوں پر نہ جانا
کوئی چیز اتنی پرانی نہیں ہے

ستارے ہیں اترے ہوئے میکدے میں
عدمؔ واقعہ ہے، کہانی نہیں ہے

○

جھوم کر بختِ نارسا نہ ملا   مسکرا کر کبھی خدا نہ ملا

راستہ کٹ گیا سہولت سے   شکر ہے کوئی رہنما نہ ملا

وہ بڑے خوش نصیب انساں تھے   جن کی کشتی کو ناخدا نہ ملا

ہم پہنچ تو گئے تھے منزل پر   اتفاقاً ترا پتا نہ ملا

کٹ گئی جستجو میں عمر عدمؔ

دردِ ہستی کا مدعا نہ ملا

○

شگفتہ شگفتہ سہانے سہانے

کہاں جا بسے وہ مقدس زمانے

گرے جب بھی میخوار سجدے میں پی کر

ستاروں سے ٹکرا گئے بادہ خانے

چلو خیر اب ذکر کیا ان غموں کا

نہ ہم لوگ مانے نہ تم لوگ مانے

نہ پوچھو یہ صوفی منش لوگ شب کو

کہاں جا رہے ہیں وضو کے بہانے

یہ کس رنگ کی گردشیں کھا رہا ہے

ارے او زمانے، ارے او زمانے

کہاں راستہ دیکھتے بجلیوں کا

بہار آئی اور جل گئے آشیانے

عدمؔ فصلِ گل ہو کہ عہدِ جوانی

بڑا لطف دیتے ہیں رنگیں فسانے

○

مدت ہوئی ہے موت کو مہماں کیے ہوئے
ہستی کی مشکلات کو آساں کئے ہوئے

اب کیا درست ہوں گے زمانے کے کاروبار
وہ آرہے ہیں بال پریشاں کیے ہوئے

جی چاہتا ہے عہدِ جدائی گذار دوں
سر کو سپردِ زانوئے جاناں کیے ہوئے

بیدار ہو رہا ہے تصور کا بتکدہ
صدہا تکلفات کا ساماں کیے ہوئے

پھر کاروبارِ خاص میں مصروف ہے خرد
قندیلِ مصلحت کو فروزاں کیے ہوئے

پیوست ہو رہے ہیں لبوں پر کسی کے لب
شیرینیٔ دہن کو رگِ جاں کئے ہوئے

تکمیلِ خود نمائی پہ مائل ہے پھر شباب
ڈستے ہوئے خطوط کو عریاں کئے ہوئے

اے آفتابِ حسنِ ازل کچھ خیال کر
بیٹھی ہے رات چاک گریباں کئے ہوئے

رُخ سے نقاب اٹھا کہ بڑی دیر ہو گئی
ماحول کو تلاوتِ قرآں کئے ہوئے

آجا خرامِ ناز کی لہروں کے دوش پر
گلپوش راستوں کو غزل خواں کئے ہوئے

پھر تیز ہو رہی ہیں ہوس کی ضرورتیں
شبنم کو آفتاب کا مہماں کئے ہوئے

پھر پردہ در ہے عشق کا ذوقِ مصوری
یوسف کے پیرہن کو گریباں کئے ہوئے

○

پھر جا رہا ہوں اس کی گلی میں بصد خروش
سامانِ بدحواسیِ دریاں کیے ہوئے

پھر دل میں اٹھ رہا ہے خرابی کا ولولہ
بازارِ احتیاط کو ویراں کیے ہوئے

پھر گرم خواہشات کا موسم ہے جوش پہ
قطرے کو موج، موج کو طوفاں کیے ہوئے

پھر آ رہی ہے بام پہ خود بینیِ جمال
غمزے کی دوپہر کو درخشاں کیے ہوئے

ترکش بدوش پھر چلی آتی ہے زندگی
اندازہ جراحتِ پنہاں کیے ہوئے

پھر جا رہا ہوں سوئے خرابات اے عدمؔ
توبہ کی گمرہی کو مسلماں کیے ہوئے

○

روح انساں کی جب رقص میں آجاتی ہے
عرش تک سازِ محبت کی صدا جاتی ہے

کچھ سمجھ میں نہیں آتا یہ تماشا کیا ہے
جو حسیں شکل ہے آنکھوں میں سما جاتی ہے

بعض اوقات ڈبونے کے ارادے سے ہَوا
ڈوبنے والوں کو ساحل پہ لگا جاتی ہے

اس سے آگے کوئی مشعل نہیں دیکھی ہم نے
میکدے تک تو ستاروں کی ضیا جاتی ہے

پوچھ مت رات کے اس عالمِ خاموش کا حال
سوچتے سوچتے جب نیند سی آ جاتی ہے

کثرتِ لطف بھی اک ظلم کی صورت ہے عدمؔ
تیز خوشبو کی مہک آگ لگا جاتی ہے!

○

فریبِ بیش و کم نے مار ڈالا ۔۔۔ امیدِ دل کے بھرم نے مار ڈالا

زمانے کے ستم تو سہہ ہی لیتے ۔۔۔ رفیقوں کے کرم نے مار ڈالا

طبیعت کو بڑی رغبت تھی غم سے ۔۔۔ غرض یہ ہے کہ غم نے مار ڈالا

خرد کا مشورہ تسلیم کر کے ۔۔۔ دلِ ناداں کو ہم نے مار ڈالا

بہت پختہ تھا عذرِ زیست لیکن
خیالاتِ عدم نے مار ڈالا

○

مشکلیں آسان سی ہوتی گئیں
بستیاں ویران سی ہوتی گئیں

اس نے زلفوں کو بکھیرا تھا ذرا
نکہتیں قربان سی ہوتی گئیں

رہروؤں کی بے نیازی دیکھ کر
منزلیں حیران سی ہوتی گئیں

دوست جوں جوں باخرد ہوتے گئے
محفلیں بے جان سی ہوتی گئیں

زندگی کی آرزوئیں اے عدمؔ
موت کا عنوان سی ہوتی گئیں

○

دشمنوں کی تو کوئی بات نہیں
دوستوں میں بھی التفات نہیں

سوچیئے تو ہزار باتیں ہیں
غور کیجیے تو کوئی بات نہیں

تذکرے ہیں خلوص کے جن میں
داستانیں ہیں واقعات نہیں

فکر ہو جن کے ٹوٹ جانے کا
ان سے اپنے تعلقات نہیں

ذکر ہے گردشِ زمانہ کا
آپ کی انکھڑیوں کی بات نہیں

کتنی شمعیں عدمؔ جلاؤ گے
زندگی گرمیوں کی رات نہیں

○

ہجوئیوں کے ساتھ جوانی کی رات تھی
پھولوں کا تذکرہ تھا ستاروں کی بات تھی

میں نے ہر ایک چیز کو اپنا سمجھ لیا
مجھ کو خبر نہ تھی یہ تری کائنات تھی

کلیوں کے اضطراب سے اڑتا ہے رنگِ گل
پچھلی بہار میں بھی کچھ ایسی ہی بات تھی

توبہ کو توڑنا ہی مناسب تھا اے عدمؔ
یاروں کی ٹولیاں تھیں بہاروں کی رات تھی

کتاب	مصنف	قیمت
فروزاں	معین احسن جذبی	2.00
سخن مختصر	,,	2.00
آفتاب داغ	مرتبہ قیوم نظر	3.00
فریاد داغ	مرتبہ تمکین کاظمی	3.00
انتخاب کلام ظفر	شاہد علی خاں	3.50
55ء کی بہترین نظمیں	حلقہ ارباب ذوق	2.50
بن کپاسی (پنجابی)	پربھ جوت کور	3.25
داغ فراق	شاد امرتسری	2.25
درد کے پھول	صفدر میر	6.00
صبح بہار	اختر شیرانی	2.25
لالۂ طور	,,	2.25
اخترستان	,,	2.25
شہناز	,,	2.25
شہرود	,,	3.50
غم بہار	ساغر صدیقی	3.00
دیوان غالب	غالب	3.00
حرف بشاش	نذیر احمد شیخ	7.50
نالہ ہائے دل	یحییٰ عیش	3.00

تنقید ــــــ!

کتاب	مصنف	قیمت
روح اقبال	ڈاکٹر یوسف حسین خاں	10.00
اردو غزل	,,	16.00
حسرت کی شاعری	,,	2.00
مولانا حالی کا سیاسی شعور	معین احسن جذبی	5.50
یادگار حالی	صالحہ عابد حسین	5.00
ادبی جھلکیاں	,,	5.00
گنج ہائے گرانمایہ	رشید احمد صدیقی	6.00
اختر شیرانی اور اسکی شاعری	اختر جعفری	5.50
داغ	تمکین کاظمی	7.50

مفصل فہرست طلب کریں ۔

آئینہ ادب ،چوک مینار، انارکلی ، لاہور

تلخیاں

ساحر لدھیانوی

ساحر لدھیانوی نئی پود کے نوجوان شاعروں میں ایک ممتاز و منفرد مرتبہ رکھتا ہے۔ اُس کے کلام میں ایک حقیقی شاعر کے دل کی تمام بے چینیاں، ساری اضطراب انگیزیاں رواں دواں نظر آتی ہیں۔ اُس کے احساسات نہایت رقیق، فکر نہایت عمیق اور اسلوب ادا نہایت دلکش ہے اور یہی وجہ ہے کہ اُس کے اشعار سازِ دل کو مترنم کر کے اپنا ہم آہنگ بنا لیتے ہیں۔ "تلخیاں" اسی ساحر لدھیانوی کی نظموں اور غزلوں کا حسین مجموعہ ہے جس کے اشعار میں بلا کی معنویت و جاذبیت پائی جاتی ہے۔

قیمت : دو روپے چار آنے

آئینۂ ادب، چوک مینار، انارکلی، لاہور

سرورق زرین پریس لمیٹڈ، لاہور میں چھپا